خوشبو نما

(شعری مجموعہ)

ڈاکٹر صابر مرزا

اهدا به برادر بزرگ قبله صوفی صاحب [illegible]

[illegible] واحترام

[illegible]

[illegible]

۲۵ نومبر ۲۰۰۸ م

خوشبونما

(شعری مجموعہ)

ڈاکٹر صابر مرزا

G.M. College of Education
Raipur, Bantalab
Jammu.
Acc. No. 580
Dated 11-9-09

پیشکش
اقراء پبلی کیشنز، مجلس ادب و
باباغلام شاہ ادبی مرکز، بھروٹ، راجوری

Dr. R. L. Shant.

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب :	:	**خوشبو نما**
نوعیت	:	شاعری
شاعر	:	**ڈاکٹر صابر مرزا**
ترتیب	:	فاروق بخاری
کمپوزنگ :	:	**TFC سنٹر**، گاؤ کدل، سرینگر 2473818
سرورق	:	**TFC سنٹر**، گاؤ کدل، سری نگر
طباعت	:	**الحیات** پرنٹوگرافرس، سرینگر 9419403126
سال اشاعت	:	۲۰۰۶ء
تعداد	:	۱۰۰۰
قیمت	:	**۳۵۰** روپے

ملنے کا پتہ

۱۔ ڈاکٹر صابر مرزا، مدینہ کالونی وارڈ نمبر ۲ راجوری

۲۔ چوہدری بک ڈپو، نزدیک جھولا پل، راجوری

۳۔ انڈین بک ڈپو اینڈ سپورٹینگ ایجنسی، گوجر مارکیٹ، راجوری

۴۔ قاسمی کتب خانہ، جامع مسجد تلاب کھٹیکاں، جموں

۵۔ تکبیر پبلی کیشنز، گاؤ کدل سرینگر

انتساب

رب عزوجل کے

بعد

اپنے پڑھنے والے

امی ، ابو

برادرِ اکبر و اصغر

اکمل و صومّیا

کے نام

صاؔبر پڑے ہیں آج بھی البم کے درمیاں
کُچھ نقش میرے کھوئے ہوئے ماہ و سال کے

دیباچہ

صآبر مرزا جموں و کشمیر کے ایک خوش فکر اور خوش آہنگ شاعر ہیں مجھے مشاعرے میں بھی اُن کا کلام سُننے کا اتفاق ہوا ہے اور اس وقت ان کے مجموعۂ کلام ''خوشبو نما'' کا مسودہ بھی میرے پیش نظر ہے اُن کا کلام دونوں صورتوں میں وجدان کو متاثر کرتا ہے۔ یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اکثر اوقات ہم لوگ شاعر کا کلام اُس کی زبانی سُن کے متاثر ہو جاتے ہیں لیکن جب کاغذ پر اُسے دیکھتے ہیں تو وہ بے کیف یا کم اثر نظر آتا ہے۔ اس لیے میں مشاعرے میں کسی شاعر کا کلام سُن کر اُس کے متعلق اپنی رائے دینے سے گریز کرتا ہوں۔ میرے لیے شعر کو پرکھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ میرے سامنے کاغذ پر لکھی ہوئی صورت میں ہو اور اِس وقت جب کہ صآبر مرزا کا کلام میرے سامنے ایک مسوّدے کی صورت میں موجود ہے اور میں اس

سے لطف اندوز ہو رہا ہوں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اس میں متاثر کرنے کی صلاحیّت موجود ہے۔

صاؔبر مرزا جدید حسیّت کے شاعر ہیں۔ جب میں کسی شاعر کو جدید حسیّت کا شاعر کہتا ہوں تو میرے سامنے چند برس پہلے کا وہ زمانہ آ جاتا ہے جب ایک رُجحان کے طور پر جدیدیّت کی ابتدا ہوئی تھی۔ اُس وقت جدیدیّت سے وابستہ اچھے شعراء میں وہ شعراء بھی شامل ہو گئے تھے جنھوں نے جدیدیّت کو محض ایک فیشن اور نقالی کے طور پر استعمال کیا تھا۔ ایسے شعراء کی موجودگی کے باعث جدیدیّت کے رُجحان کو خاصا نقصان پہنچا تھا۔ یہ شعراء اس رجحان کی مقبولیّت کے رستے میں ایک طرح سے رکاوٹ بن گئے تھے لیکن جس طرح ایک کھوٹا سکّہ دو چار روز بازار میں اِدھر اُدھر گھوم پھر کے انجام کار مرُدود اور مقہور ہو کر کھوٹے سکّوں کے ڈھیر میں واپس چلا جاتا ہے۔ وہ اصطلاحی جدید شعراء بھی اسی طرح نامقبول ہو کر پردۂ اخفا میں واپس چلے گئے اور آج اُن کا نام اور کلام نہ قارئین کی زبانوں پر ہے نہ حافظے میں۔ ہاں بعض نام نہاد جدید رسائل میں جو خود بھی گُم نامی کے عالم میں پہنچ چُکے ہیں اِس نام نہاد جدید شاعری کی مثالیں مِل جائیں گی۔ سچے اور کھرے جدید شعراء آج بھی لڑکپن سے جوانی اور جوانی

سے بڑھاپے کی عمر میں پہنچ کر بھی سچی اور بامعنی جدید شاعری کر رہے ہیں اور پڑھنے والوں کے دل و دماغ کو تازگی بھی پہنچا رہے ہیں اور فرحت بھی۔ صابؔر مرزا کا شمار انہی سچّے اور کھرے جدید شعراء میں ہوتا ہے جو عمر کے اعتبار سے جوانی کی منزل میں ہیں۔

یہاں میں اس بحث کو چھیڑے بغیر کہ جدیدیّت ترقّی پسندی کی توسیع ہے یا ترقی پسندی کا تضاد، یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ بیرونی محرکات کو اپنے جذبے میں سمونے کے ساتھ ہی ساتھ اپنے اندر چھپے ہوئے جہانِ صغیر کے محرکات کو جس طرح جدید شعراء نے شاعری میں ڈھالا ہے وہ بات بحیثیت مجموعی ترقی پسند شاعری میں نظر نہیں آتی۔ اِس شاعری میں کائنات کے درد کی موج بھی ہے اور غمِ ذات کی زیریں لہر بھی۔ یہ صحیح ہے کہ اس جدید شاعری میں اشاریّت کہیں کہیں ابہام کی حدوں سے نکل کر مُہملات تک جا پہنچی ہے لیکن محتاط اور بامطالعہ شعراء کا کلام اس عیب سے پاک ہے۔ صابؔر مرزا کی شاعری بھی اس عیب سے پاک ہے۔ اس میں زندگی کی شیرازہ بندی کے کئی پہلو نظر آتے ہیں۔

موجودہ معاشرتی نظام کی مکروہ صورتِ حال، روایات کی اُلٹی سیدھی تعبیروں، سماجی انتشار اور دوسرے عیوب کو جو ہماری قومی

زندگی کو گھن کی طرح کھائے چلے جا رہے ہیں انھوں نے اپنا ہدف بنایا ہے لیکن اس سلیقے سے کہ مقصد شاعری پر حاوی نہیں ہونے پایا بلکہ مقصد خود شاعری میں ڈھل گیا ہے خود شاعری بن گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ اُس مایوسی قنوطیّت اور احساسِ ناکامی سے بھی پاک ہے جس سے اکثر جدید شعراء کا کلام عبارت ہے۔

شام کی بے حس دُھنیں کیا چھڑتیں صبحوں کی لے
دُور تک پھیلے خلا کے خواب شوریدہ نہ تھے
آندھیوں کی گرم رفتاری کا تھا منظر تمام
ورنہ پیڑوں کے یہ پتّے اتنے لرزیدہ نہ تھے

کہے گا ایک ہی لمحے میں زندگی کا راز
صدی صدی کا تمسخر اُڑانے آئے گا
کھنچیں گے پیڑ پہ کچھ زاویے نئے ڈھب سے
ہوا کے رُخ پہ جو پتھر اُٹھانے آئے گا

ٹکڑے پڑے ہوئے تھے سمندر کے آس پاس
کاغذ کی کشتیوں پہ تھے کیا دن زوال کے
صابرؔ پڑے ہیں آج بھی البم کے درمیاں
کُچھ نقش میرے کھوئے ہوئے ماہ و سال کے

خوشبوئیں صحراؤں میں تھیں بے کلی آنگن میں تھی
جانے کیسی آگ تھی وہ جو میرے دامن میں تھی

جدید غزل کے محاسن کا انحصار موضوعات کی کمی بیشی پر نہیں بلکہ جدید حسیت پر ہے اور صابرؔ مرزا کی غزل جدید حسیت کو پوری طرح سے اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس میں وہ العباد بھی آجاتے ہیں جنھیں ہم کسی زمانے میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں سے تعبیر کرتے تھے۔

یہ چند الفاظ لکھتے وقت اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ تمہید نگار کا کام اپنی تحریر کو مثالوں سے گراں بار کرنا نہیں بلکہ کتاب کے محاسن کی جانب ایک اشارہ کرنا ہے۔ میں دیباچہ نگار کا شاعر اور قاری کے درمیان دیر تک حائل رہنا مناسب نہیں سمجھتا، اس لیے اجازت طلب کر کے قائرین سے یہ توقع کرتا ہوں کہ وہ صابرؔ مرزا کے کلام سے اس تمہیدی انداز کی تحریر سے بے نیاز ہو کر براہ راست لطف اندوز ہوں گے۔

غالباً ''خوشبونما'' صابرؔ مرزا کا پہلا مجموعہ کلام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اُن کے ابتدا سے لیکر آج تک کے کلام پر مشتمل ہے۔ ہماری شاعری اسلوب اور ہیت، ایمائیت اور اشاریت کے اعتبار سے نئی

منزلیں طے کر رہی ہے اور وقت بھی بہت تیز رفتار ہو گیا ہے دُنیا بھی بہت چھوٹی ہو گئی ہے اس لیے اس صورتِ حال کے پیشِ نظر مجھے یقین ہے کہ صابرؔ مرزا کا کلام بھی ترقی کی اور کئی منزلیں طے کرے گا اور علامہ اقبال کا یہ شعر ہمیشہ ان کی رہنمائی کرتا رہے گا ؎

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلّی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

جگن ناتھ آزاد

صدر انجمنِ ترقی اُردو ہند نئی دہلی

☆☆☆

حرفے چند

کچھ عرصہ ہوا صابر مرزا صاحب نے مجھے خط لکھ کر فرمائش کی تھی کہ میں ان کے کلام کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کروں۔ میں نے خط لکھ کر ان کا مسوّدہ منگوالیا۔ اس وقت میں نے ان کی صرف ایک دو غزلیں پڑھی تھیں۔ کچھ دن بعد ان کا مسوّدہ موصول ہوا۔ پندرہ بیس صفحات کا ہی مطالعہ کیا تھا معلوم ہوا کہ صابر ایسے شاعر نہیں ہیں کہ میں سرسری گزر جاؤں۔ پھر شروع سے پڑھنا شروع کیا۔ شرمندگی ہوئی کہ میں اب تک اتنے اچھے شاعر سے کیوں محروم رہا؟

صابر کی شاعری کے بارے میں میرا پہلے سے ہی یہ تاثر تھا کہ وہ نہ تو تک بندی اور نہ ردیف و قافیہ کے شاعر ہیں بلکہ وہ شعری رفعتوں اور حقیقتوں سے پوری طرح بہرہ مند ہیں اور اب جب کہ ان کا شعری مجموعہ میرے پیشِ نظر ہے تو میں بڑی خوش گمانی اور وثوق سے فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ صابر مرزا کی شاعری اپنے اندر نہ صرف شعری محاسن سمیٹے ہے بلکہ شعری تناظر میں ہمہ جہتی اور ہمہ رنگی کی آئینہ دار بھی ہے۔ فنی سطح پہ شعری میزان میں بلاشبہ نئے رنگ و آہنگ

کی ایک خوبصورت مثال پیش کرتی ہے۔ یہاں یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ شعر گوئی ان کے لیے ''تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات'' نہیں ہے، بلکہ وہ کائنات اور اپنی ذات کو جس رخ سے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اس کا فنکارانہ اظہار ہے۔ اگر وہ شاعر نہ ہوتے تو اس مقصد کے لیے کوئی اور فن اپناتے۔ ان کے اندر کا چھپا ہوا فنکار خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔

بلا شبہ صابر مرزا شعری رفعتوں اور حقیقتوں سے پوری طرح بہرہ مند ہیں مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ صابر مرزا شعری متون میں اپنی کہی ہوئی بات تو دوہرا سکتے ہیں، لیکن دوسروں کی بات کو بیان نہیں کرتے اور جب کبھی خود کو دوہراتے ہیں تو نئے انداز کے ساتھ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بے حد ذہین اور حساس انسان ہیں۔ عصری زندگی اور اس کے مسائل پر ان کی گہری نظر ہے۔ وہ اس راز سے واقف ہیں کہ زندگی کے حقائق ہمیشہ روشن، تابناک اور اُمید افزا نہیں ہوتے ان پر ناکامی کی چادر چڑھی ہوتی ہے۔ زندگی خطِ مستقیم بھی نہیں ہے یہ خط سینکڑوں پیچ بل کھاتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ ان حقیقتوں کا اگر ادراک ہو جائے تو فنکار انسانی علم میں تھوڑا بہت اضافہ کر دیتا ہے۔ صابر زندگی کی متضاد کیفیتوں کو شاعری کے نئے آہنگ اور نئے انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ زندگی اپنی تمام خوبصورتی، خوشی و غم، شیرینی اور تلخی کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہے اور اس طر

ح آتی ہے کہ ہم میں یہ سب کچھ برداشت کرنے کی طاقت اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

خلیل الرحمٰن اعظمیؔ صاحب نے جدید غزل پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ہمیں غالبؔ کے ہاں محبت کی مرکزیت اور اوّلیت سے انکار کی روایت ملتی ہے۔

اعظمیؔ صاحب (مرحوم) کا خیال ہے کہ یہ روایت غالبؔ سے شروع ہوئی تھی تو ان کے اس خیال سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ میرؔ، سوداؔ، اور اس عہد کے دوسرے شاعروں کے ہاں بھی ایسے اشعار کی خاصی تعداد مل جائے گی جن میں زندگی میں عشق کی مرکزی حیثیت سے انکار کیا گیا ہے، اعظمی صاحب نے اس روایت پر روشنی ڈالتے ہوئے صرف یگانہؔ اور فراقؔ کا ذکر کیا ہے،

حالاں کہ ترقی پسند شاعروں کے ہاں یہ روایت بہت صاف اور واضح الفاظ میں ملتی ہے بیشتر ترقی پسند شاعروں کے ہاں "<u>مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ</u>" کے مفہوم کے اشعار خاص تعداد میں مل جاتے ہیں۔ بلکہ اہم جدید شعرا کے ہاں یہ روّیہ کیا یہ فارمولہ شاعری کا حصہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ صابرؔ مرزا کے ہاں بھی یہ احساس ہے اور بہت شدت سے۔ ترقی پسندوں نے تو محبوب کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ غمِ روزگار نے ان سے غمِ جاناں چھین لیا ہے۔

صابرؔ اس معاملے میں ترقی پسندوں سے بہت آگے ہیں۔ وہ

غم روزگار میں اتنے اُلجھے ہوئے ہیں کہ جاناں اور غمِ جاناں دونوں سے دست بردار ہیں۔ ان کے کلام میں حسن و عشق کے بہت کم اشعار ملتے ہیں۔

صابرؔ مرزا ہمارے عہد کے ایک ممتاز غزل گو ہیں۔ ان کے ہاں شکست خوردگی، بے عقیدگی، تنہائی، مایوسی، بے بسی اور لاچاری کا ماتم نہیں بلکہ زندگی کے تلخ و شیریں حقائق کا بصیرت آمیز اور فکر انگیز انداز میں بیان ہے صابرؔ کے ہاں فکر، موضوع اور بیان سب ہی کا خوش نما تنوع ہے۔ صابرؔ کی غزلوں میں غزل کے سبھی محاسن موجود ہیں۔

ان کے خوبصورت شعری مجموعہ ''خوشبو نما'' سے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

جیسے اب ہیں لوگ پہلے ایسے سنجیدہ نہ تھے
زندگی کے رنگ بھی کچھ اتنے پیچیدہ نہ تھے

شجر شجر کی ابھی تم نہ ڈالیاں کاٹو
پرند لوٹ کر منظر دکھانے آئے گا

جڑوں سمیت اُجاڑے ہیں جھولتے اشجار
خلا کے رُخ پہ بسائی ہیں بستیاں اُس نے

ہے پتھروں کی بھیڑ خلا کی حدود میں
اک آئینہ زمیں پہ مقابل دکھائی دے

تمہارے ساتھ گذرے وقت نے اتنا سکھایا ہے
کہ ان سرسبز صحراؤں بے برگ و ثمر رہنا
پھر سبز برف لکھ گئی منظر پہاڑ پر
رکھے ہیں پھر سیال نے پتھر اُچھال کے
صاؔبر پڑے ہیں آج بھی البم کے درمیاں
کچھ نقش میرے کھوئے ہوئے ماہ و سال کے ہیں

صاؔبر مرزا کے مجموعہ کلام ''خوشبونما'' میں حمد، نعت، منقبت اور غزلیات کا حصّہ اپنے کاغذی سینے پہ بے حد بامعنی جامع اور خوبصورت شعری حقیقتوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ ان کے اس خوبصورت شعری مجموعے کی اشاعت پہ میں انہیں دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں

صاؔبر مرزا کے یہی چند اشعار نہیں بلکہ ان کی ساری شعری اساس اپنی ہمہ پہلو معنویت کے ساتھ جدید رنگ و آہنگ میں ڈھل کر ایک خوبصورت امتزاج پیش کرتی ہے جس میں سارے شعری محاسن اور زندگی کی سبھی کیفیتیں اپنی ہمہ جہت وسعتوں کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

ڈاکٹر خلیق انجم
سکریٹری انجمن ترقی اُردو ہند نئی دہلی

تقریظ

جذبہ اور احساس کے اظہار کا دوسرا نام شاعری ہے۔اعلیٰ وارفع خیال جو اچھے اور اچھوتے طرزِ بیان کا حامل ہو، اچھی شاعری مانا جاتا ہے۔عہدِ قدیم سے ہی شاعری ہر زبان میں وسیلۂ اظہار کے طور پر مقبول و معروف رہی ہے۔شاعری ایک شاعر کی ذہنی تخلیق ہوتی ہے اور شاعر کے خیال اور جذبے ہی سے شعر میں ایک خاص کیفیت اور تاثر پیدا ہوتا ہے۔ہر اچھا شاعر اپنے احساس اور شعور کو سمونے کے لیے موزوں شعر کی تلاش میں محنت اور ریاضت کرتا ہے اور اپنی فکر اور احساس کی تخلیقی قوت کو آزمانے کے لیے ذہنی مشقت کرتا ہے۔وہ خوبصورت الفاظ اور حسین تشبیہات واستعارات کے استعمال سے اپنی شاعری میں نئی وسعتیں پیدا کرتا ہے جب کہ لفظ کی نزاکت، لطافت، حُسن اور جمال کا احساس شعر میں استعمال کے بعد ہی ہوتا ہے۔ شاعر لفظوں کو جوڑ کر ان سے معنی نچوڑتا ہے، اس میں رنگ نکھارتا اور حُسن پیدا کرتا ہے اور ان کا ایک حسین پیکر تراشتا ہے، بالکل اُسی طرح، جس طرح ایک فنکار پتھر سے مجسمے تراشتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ شاعری کو نہ تو سنجیدہ گفتگو قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی بے تکلف بات چیت، بلکہ شاعری شعوری صنعت گری ہے، فنکاری ہے۔

آپ کے ہاتھوں میں اِس وقت جو کتاب ہے، وہ ریاست جموں وکشمیر کے ایک جواں فِکر فنکار کی کوششوں، کاوشوں اور ریاضتوں کا نتیجہ ہے۔میری مُراد جناب ڈاکٹر صابر مرزا سے ہے، جنہوں نے اِس ناچیز سے کتاب کی تقریظ لکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔یہ جاننے کے بعد کہ اُردو کی دو سربرآوردہ شخصیات پروفیسر جگن ناتھ آزاد اور ڈاکٹر خلیق انجم کے رشحاتِ فکر کتاب کے اوائل میں ہی شامل ہیں، راقم پر لرزہ سا طاری ہوا۔لیکن میرے سمجھانے بجھانے کے باوجود موصوف نے اِس ناچیز کو ''کچھ لکھنے'' کی ذمہ داری سے بری کرنے سے اتفاق نہیں کیا۔

پروفیسر جگن ناتھ آزاد اور ڈاکٹر خلیق انجم جیسے مشاہیر نے اِس مجموعۂ کلام پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا ہے اور ڈاکٹر مرزا کے کلام میں پائی جانے والی خصوصیات اور خوبیوں کی نشاندہی کی ہے۔ جہاں تک ڈاکٹر مرزا کی شاعری کا تعلق ہے، اُس میں جذبہ بھی ہے اور احساس بھی، منفرد طرزِ بیان بھی ہے اور تجربات کی جدت بھی۔مجموعہ ھٰذا کا مطالعہ کرنے کے بعد شاعر کے بارے میں جو مجموعی تاثر اُبھر کر قاری کے ذہنی پردے پر نمودار ہو جاتا ہے، وہ یہی ہے کہ ڈاکٹر صابر مرزا دبستانِ کشمیر میں اپنے منفرد اسلوب شعر کے باعث، جس میں ان کے رچے ہوئے لسانی شعور اور خوش منظر تراکیب کا حصہ وافر ہے، اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔وہ محض ایک تازہ کار شاعر ہی نہیں، اچھے ادیب اور نثر نگار بھی ہیں۔

زیرِ نظر مجموعہ میں معاصر لہو رنگ کشمیر کے لہولہو مناظر جگہ جگہ پسِ منظر کے طور پر دکھائی دیتے ہیں۔صاف ظاہر ہے کہ شاعر کی عصری آگہی اور حسیت اُنہیں کربِ آگہی سے دوچار کر

دیتی ہے اور وہ خونِ جگر سے قرطاس وقلم کے ذریعے ایسے نقوش اُبھارنے میں لگ جاتے ہیں، جو قاری کے قلب وذہن پر دیرپا اثرات مرتب کرتے ہیں۔ چنانچہ زیرِ نظر مجموعۂ شعر میں موصوف اپنی نادر ترکیبات اور داخلی تجربات کے ساتھ بار بار پڑھنے والے کے ذوق ووجدان کو جگاتے اور اپیل کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ چند شعر دیکھیے۔

برستے گُل بھی اگر گل فشانیاں لکھتے
ستم کے سنگ تری مہربانیاں لکھتے

لہو زدہ تھے سبھی حرف خونچکاں الفاظ
ہم اپنے عہد کی کیسے کہانیاں لکھتے

یہ جب سے شمس و قمر لیل ونہار آگ میں ہیں
گلاب سارے سراپا بہار آگ میں ہیں

جُھلس رہی ہے حوادث میں عزم کی تاریخ
یہ کیا بہار ہے کہ نیلے چنار آگ میں ہیں

آئینوں کے دِل میں جب اُتروں میں اِک منظر بنوں
ریزہ ریزہ میں بکھر جاؤں اگر پیکر بنوں

غرض مجموعۂ ھٰذا کی ورق گردانی کرتے ہوئے جہاں اور جس صفحے پر بھی آپ کی نظر پڑے گی، وہاں آپ مندرجہ بالا جیسے خوبصورت اشعار سے محظوظ ہوں گے۔ ڈاکٹر مرزا نہ جانے کیوں اب تک اپنا اُردو مجموعۂ کلام منظرِ عام پر لانے سے گریزاں تھے؟ کشمیر میں اُردو شاعری کا موجودہ منظر نامہ اُن کو اپنا ایک الگ مقام دینے میں یقیناً بخل سے کام نہیں لے گا۔

اُمید کی جانی چاہیے کہ ڈاکٹر صابر مرزا کے اِس خوشبو آمیز شعری مجموعے "خوشبونما" کی اشاعت ریاست جموں وکشمیر میں اُردو شاعری کے موجودہ منظر نامے کے محیط کی موجوں میں اضطراب پیدا کرنے میں کامیاب ہوگی اور نہ صرف ناقدین بلکہ شعراء حضرات اور دیگر اصحابِ ذوق واہلِ فکر ودانش سے بھی داد وتحسین حاصل کرے گی۔

ڈاکٹر جوہر قدوسی
مدیر ماہنامہ **الحیات**

سرینگر
۲۸؍اکتوبر ۲۰۰۶ء

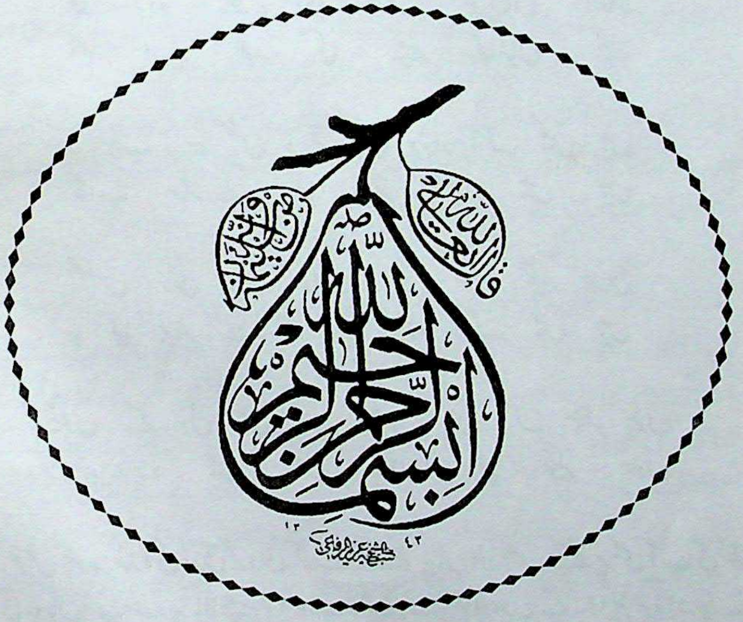
بسم الله الرحمن الرحيم

خدا

خدا روشنی ہے
زمیں آسماں کی
مثال اُس کی ایسے کہ جیسے کہیں پر
کسی طاق میں ہو چراغِ منور
دھرا ہو جو اک آئینے میں
چمکتا ہو وہ آئینہ ایک تارے کی مانند
جلے جس میں برکت کا ہی تیل بالکل
جو زیتون ہے
نہ مشرق کی جانب
نہ مغرب کی جانب
قریں ہے بہت اُس کے یہ تیل اتنا
کہ ہو جائے روشن

اگرچہ کہ نہ آگ ہو اس میں بالکل

ضیا پر ضیا پر ضیا

جس کو چاہے وہ دکھلائے راہ

اپنی ضیا کی

خدا روشنی ہے

زمیں آسماں کی

خدا روشنی ہے

اگرچہ کہ نہ آگ ہو اس میں بالکل

ضیا پر ضیا پر ضیا

جس کو چاہے وہ دکھلائے راہ

اپنی ضیا کی

خدا روشنی ہے

زمیں آسماں کی

خدا روشنی ہے

●●●

حمدِ باری تعالیٰ

تمام رنگ ہوا نقش و نوا اِلاّ ہُو
اُفق سے تا بہ اُفق وردِ فضا اِلاّ ہُو

ہے کائنات پہ جس کی رقم ربوبیّت
وہی ہے لائقِ بے حد ثنا اِلاّ ہُو

سراپا نورِ مجسّم ہے جو ازل تا ابد
وہی ہے تاب وہی نور و ضیا اِلاّ ہُو

گُل و ستارا شفق رنگ مہر و ماہ جس کے
ہیں اُس کے جلوے سرِ لالہ کدہ اِلاّ ہُو

مدام جلتے ہیں جس کی وحدتوں کے چراغ
مدام اُس کی ہے مدح و ثنا اِلاّ ہُو

پہاڑ ، دریا ،سمندر ، ہوائیں حمد سرا
شناد میں گُم ہیں تیری ارض و سما اِلاّ ہُو

دِل و نظر کا تو ہی قبلہ نما ہے اے صابرؔ
تو ہی ہے کعبہ تو ہی کعبہ نما اِلاّ ہُو

●●●

حمدِ باری تعالیٰ

جس کا جلوہ ہے ارض و سماوات میں
وہ ہویدا ہے قطرات و زرّات میں

بحرِ ظلمات میں ہے سہارا وہی
ہے جو حامی و ناصر مُہمات میں

سارے عالم کا مالک ہے رزّاق ہے
جس کی قدرت نمائیاں ہے حاجات میں

ہے بلند اور بالا وہی لاوجود !
وہ جو اولیٰ و اعلیٰ ہے ہر بات میں

جس کی خوشبو ہے دشت و جبل کا وقار
رنگ اُس کے ہیں ہر پھول اور پات میں

☆☆☆

حمدِ باری تعالیٰ

لا سے اِلاَّ ہے جو اور لاَ منتہا !
وہ جھلکتا ہے قرآں کی آیات میں

جس نے لکھی ہے سب لوحِ روزِ ازل
اُس کی قدرت ہے سارے کرشمات میں

ساری حمد و ثنا ہے اُسی کے لیے
جس کے پرتو ہیں صابر مناجات میں

●●●

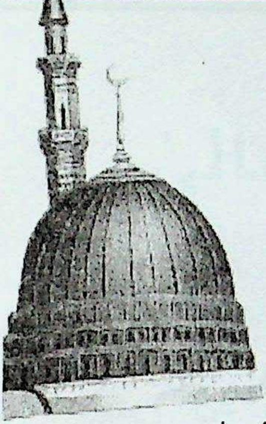

نعت سرورِ کونین ﷺ

دل میں ہے باقی یہ ارمان مدینے والے
تم پہ ہو جاؤں میں قربان مدینے والے

کیوں نہ ہو عالم بالا میں ترا اعلیٰ مقام
تم پہ تو اُترا ہے قرآن مدینے والے

انبیاء اور بھی ہیں اللہ کے واللہ لیکن
کوئی تم سا نہیں ذیشان مدینے والے

ہیں ابوبکرؓ ، عمرؓ اور علیؓ تم پہ نثار
آپؐ پہ وارے ہیں جاں عثمانؓ مدینے والے

آ کبھی مرا یہ ویران سا گھر آ کے بسا
ہو کبھی مُجھ پہ مہربان مدینے والے

تو مکرّم ہے تو اے آقا ! کرم سے تیرے
مری مشکل بھی ہو آسان مدینے والے

ہو عطا مُجھ کو محبت شہ والا تیری
در کا بنجاؤں میں دربان مدینے والے

یہ کہ ہے دور بڑا سخت بڑا ہی مشکل
رکھ حفاظت میں مرا ایمان مدینے والے

ہے یہ حسرت کہ درِ گُبندِ خضرا دیکھوں
ہو عطا کچھ تو سروسامان مدینے والے

آنکھ پہ رقم رہے طیبہ کے گُلوں کی خُوشبو
دل میں بطحا کی ہو ہرشان مدینے والے

سرفرازی سے نہ پھر کیسے کٹے کوئی سفر؟
تو جو ہو جائے نگہبان مدینے والے

بعد از حمدِ خدا مرے دل و جاں واللہ
ترے ہو جائیں ثنا خوان مدینے والے

دونوں عالم کہ سنور جائیں مرے اے صابرؔ
مُجھ پہ ہو جائے جو ترا احسان مدینے والے

●●●

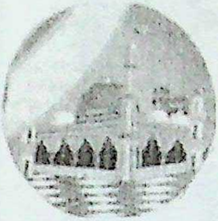

سرتاجِ اولیاء
حضرت غوثُ الاعظم جیلانیؒ

شہرہ ہے جن کا ہر طرف وہ پیرانِ پیر ہیں
ولیوں کے کارواں کے جو واللہ امیر ہیں

ملتی نہیں ہے جن کی کہیں بھی کوئی نظیر!
ایسے ہی باخدا کہ وہ بڑے بے نظیر ہیں

اللہ نے کر دیا جنھیں سرتاجِ اولیاء!!
دربارِ مصطفیٰ کے وہ اعلےٰ مشیر ہیں

سارا جہاں ہتھیلی پہ جن کے ہے جلوہ گر
فقراء میں بھی وہی تو اعلےٰ فقیر ہیں

ہر مفلس وغریب، بے دست و پا کے وہ
دھرتی پہ اے خدا! تری دست گیر ہیں

بے شک ہے ہر ولی کا بہت مُحترم مقام!
لیکن ہیں لامثال وہ امیر و کبیر ہیں

کیا کیا نہیں ہے آپ کے سرِ نہاں کے ساتھ
بے حد متین ، سامع ، بڑے با بصیر ہیں

جب ہی تو دی ہیں آپ کو اللہ نے قدرتیں
ناصر جبھی ہیں آپ، جبھی تو نصیر ہیں

ارض و سما کے سارے اُجالوں میں ساتھ ساتھ
ظُلمت کی ساعتوں میں بھی ماہِ منیر ہیں

جس عالمِ سَعود کی سِطوت ہیں مُصطفیٰ !!
اُس عالمِ سعید کے وہ بھی سفیر ہیں

خوشبو ہی ایسی دی ہے اللہ نے آپ کو
جب ہی تو ہر بہار کے بابِ عبیر ہیں

اللہ رے اُن کے فیض کا سر چشمہ دیکھئے
اپنی کرامتوں میں جو شاہِ شہیر ہیں

کیا کہنے اُن کی مہر و مُحبت کا جب کہ وہ
دھرتی پہ بے بسوں کے صابرؔ ظہیر ہیں

●●●

استدعا بہ دربارِ
حضرت معین الدین چشتیؒ

سب غم ، کہ اب مٹا دو اجمیر والے خواجہ
بگڑی مری بنا دو اجمیر والے خواجہ

ویرانیوں نے یہ گھر ویران کر دیا ہے
لِلّٰہ ، اسے بسا دو اجمیر والے خواجہ

ہے جن میں نورِ وحدت ایسے گلوں سے اب تو
گلشن مرا سجا دو اجمیر والے خواجہ

ظلمت کدے مٹا کر، ان سخت آندھیوں میں
شمع مری جلا دو اجمیر والے خواجہ

جس کا سرور، عالمِ ارفع دکھا سکے !
مُجھکو وہ مے پلا دو اجمیر والے خواجہ

اللہ نے تُجھ کو دی ہیں وہ قدرتیں کہ واللہ
پتھر پہ گُل کھلا دو اجمیر والے خواجہ

اَسوَد کے ساتھ میں درِ بطحا کو چوم لوں
بے پَر کو پَر لگا دو اجمیر والے خواجہ

اِتنی سی ہے تمنّا کہ جلوہ فروز ہو کر
صابرؔ کا دل لُبھا دو اجمیر والے خواجہ

●●●

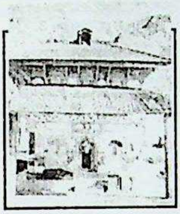

جو گُل پہ رنگ چمن پر نکھار ہے بابا

جو گُل پہ رنگ چمن پر نکھار ہے بابا
تمہارے فیض کی ساری بہار ہے بابا

عظیم تر ہے ترا مرتبہ کہ ولیوں میں
بلند بختوں میں تیرا شمار ہے بابا

تیرے ریاض نے بخشیں وہ زینتیں جن سے
ہمہ گُلاب کی صورت دیار ہے بابا

تصورات کے عالم میں آنہیں سکتا!
عریض تر جو تیرا کشت زار ہے بابا

بہارِ رنگ دکھائے ہے شاہدرہ کی بہار
سدا بہار سا تیرا مزار ہے بابا

جواہرات یہ ہیرے جڑے ہوئے موتی
حسین نگینوں کی رُت زر نگار ہے بابا

سراپا فیض کا بالکل ہوا ہے سرچشمہ
جو ترے فقر کا اعلیٰ معیار ہے بابا

ہر ایک سمت ہے شُہرہ تیری ولایت کا
ہر ایک سمت بڑا ترا وقار ہے بابا

تفکرات کی آتش میں جل رہے ہیں ضمیر
ہر ایک قلب کے بہت شعلہ بار ہے بابا

اِسے بھی صبح درخشاں دکھادے تو اِک دن
کہ تیرے ہات میں اس کی مہار ہے بابا

نہیں مثال تری اے حضرتِ غُلام شاہ کہ تو
دُکھوں میں غم مین مصائب میں یار ہے بابا

لہو لہان ہے دھرتی کہ با خدا ساری
سِتم کی تیغ کہ سر پر سوار ہے بابا

یہ حرف. حرف حقیقت ہے با خدا صابرؔ
حسین ہے لیل تری رنگیں نہار ہے بابا

☆☆☆

نذر حضرت بابا رسول شاہؒ[۱]

ہر سمت انبساط ہے اور جشنِ عید ہے
مرے سفر کی با خدا صبحِ سعید ہے
دربارِ شاہدرہ ہے اور قبلہ معتصمؔ
اک با سعید باب ہے بابِ نوید ہے
مُجھ کو عطا ہوا ہے جو حرفِ معتبر
خود اپنے آپ میں وہ قرآنِ مجید ہے
بے شک ہیں اور اولیاء بہت زیرِ آسماں
تم سا نہ کوئی رُشد نہ کوئی رشید ہے
کیسے کروں نہ فخر اے حضرتِ ایوب
گُل زارِ اولیاء میں تو گُلِ با سعید ہے
اللہ کی رحمتیں ہیں ترے اشتیاق پر
بے شک جبھی وہ دلکشا مزارِ شہید ہے
صابرؔ اُنہی کے ہو گئے بابا رسول شاہ
وہ جو سراپا حمد ، سراپا حمید ہے

●●●

۱: بابا رسول شاہ عرف عام میں نانگا باجی صاحب کے نام سے جانے جاتے ہیں اور ان کی زیارت ملنگام (بانڈی پورہ) کشمیر میں واقع ہے

صومیا[1] کے نام

تم ہر موسم آتے رہنا
ملتے اور ملاتے رہنا

شوخ ادا سے مرے بیٹے
سوئے زخم جگاتے رہنا

دیکھ اُجاڑے نہ پھر وحشت
دل کا شہر بساتے رہنا

بن تیرے ہیں لمحے صدیاں
صدیوں نہ ترساتے رہنا

دید کو میری اپنے رُخ سے
تم پنچھو[2] سرکاتے رہنا

---

۱ : میری دوسری بیٹی جو کم سنی میں داغ مفارقت دے گئی

۲ : پنچھو = اوڑھنی کے

گھر آنگن کو فرحت دینے
گھر میں آتے جاتے رہنا

غم کے صحرا میں خوشیوں کے
تم بادل برساتے رہنا

ہو جائیں خوش رنگ فضائیں
تتلی روز اُڑاتے رہنا

بوڑھی آنکھ میں، میں لو بھر لوں
آس کا دیپ جلاتے رہنا

بے وطنی ہے کرب پہ لیکن
ہر پل تم مُسکاتے رہنا

سب ہے لیکن میری خاطر
ریت پہ ننگے پانو چل کر

اپنا پھول سا نازک چہرہ
دُھوپ میں نہ جُھلساتے رہنا

●●●

☆

جیسے اب ہیں لوگ پہلے ایسے سنجیدہ نہ تھے
زندگی کے رنگ بھی کچھ اتنے پیچیدہ نہ تھے

ہم پہ بھی گزرا نہ تھا موسم گراں اب کی طرح
آنکھ جب حد میں نہ تھی، جب ہونٹ ترسیدہ نہ تھے

چُپکے چُپکے سُن رہے تھے چپ کی جاں لیوا صدا
ساحلوں کے پیڑ پودے کوئی خوابیدہ نہ تھے

شام کی بے حِس دھنیں کیا چھیڑتیں صبحوں کی لے
دُور تک پھیلے خلا کے خواب شوریدہ نہ تھے

لِکھ چُکے تھے موسموں کے رُخ پہ اپنا نام سب
جاگتے پیڑوں کے سارے خواب بوسیدہ نہ تھے

آندھیوں کی گرم رفتاری کا تھا منظر تمام
ورنہ پیڑوں کے یہ پتّے اتنے لرزیدہ نہ تھے

دیکھتے رہتے تھے صابرؔ ساری دُنیا کا کمال
آنکھ کے پرتو یہ ایسے اتنے بے دیدہ نہ تھے

●●●

☆

خوب سے ہی خوب تر ہر نقش و پیکر آئے گا
رُت جو آئی تو نیا ہر ایک منظر آئے گا

جلتے صحراؤں سے ہو کر دیکھنا بستی کی اور
پیاس لے کر ہی تو اب سوکھا سمندر آئے گا

پھول آ پہنچے ہیں پھل آئیں گے جب پھر دیکھنا
شاخ پر موسم کا ہر جانب سے پتھر آئے گا

ٹوٹ کر کیسے نہ لپٹے گا درو دیوار سے ؟
بعد مدت کے جو گھر میں کوئی بے گھر آئے گا

اب کہ ہے آزاد بالکل ہی سیاست کا وجود
اب تو رہزن بن کے ہی ہر ایک رہبر آئے گا

فیصلہ ہو جائے گا لمحوں میں صابرؔ دیکھنا
جب کِسی گردن پہ کوئی تیز خنجر آئے گا

●●●

☆

حادثے کچھ اس طرح کے سر بہ سر ہونے لگے
در سے اُٹھ کر لوگ سارے دربدر ہونے لگے

موسموں نے اپنی آغوشوں میں پالی سختیاں
پھولتے پھلتے شجر بھی بے ثمر ہونے لگے

آلیا ہے خوف نے اے مرگ کچھ ایسے کہ بس
زندگی ! اب تیرے لمحے مختصر ہونے لگے

ہر طرف شب خوں، حوادث وارداتوں کا نزول
راہزن بستی کے سارے راہبر ہونے لگے

زندگی تیرے سبھی خوشیوں کے ارمانوں کے خواب
غم کے طوفانوں میں اب تو زیر و بر ہونے لگے

وہ جو کل آفاق پر پھیلے تھے سب برفیلے رنگ
کاغذوں پر آئے تو برق و شرر ہونے لگے

ہوگئیں صابرؔ ہوائیں وقت کی جب تند و تیز
جب ہی سارے پھول پتے منتشر ہونے لگے

☆☆☆

☆

سفر کی جب وہ ہوا کو سبیل دیتا ہے
تو پھر یوں راہ میں کیوں کر فصیل دیتا ہے

اُگا کے رکھتا ہے مٹی میں کیسے کیسے نقوش؟
جسے وہ چاہیے تو عکسِ جمیل دیتا ہے

خود اپنے آپ کو تم اعتماد میں رکھو
ہر ایک شخص تو اپنی دلیل دیتا ہے

ہر ایک موڑ کو منزل نمائیاں دے کر
عجب فریب ہمیں سنگِ میل دیتا ہے

ابھی ہے وقت کِسی سمت دُور اُڑ جاؤ
پکڑ کے کون پرندے کو ڈھیل دیتا ہے ؟

مہک بکھیرتا رہتا ہے لفظ و معانی کی
جسے وہ عقل کی دولت عقیل دیتا ہے

گدا گری پہ تعجب نہ کیجئے صابرؔ !
کہ جاہ و حشم بھی ربِّ جلیل دیتا ہے

☆☆☆

☆

جیسے کوئی نقش اور پیکر نہ دیکھوں چُپ رہوں
ایسے ہی منظر کا پس منظر نہ دیکھوں چپ رہوں

میری یہ اپنی ہی عادت ہے کہ اکثر عادتاً
سر پہ سر ہوتے ہوئے بھی سر نہ دیکھوں چپ رہوں

کاغذوں پہ لِکھ کے رکھوں آتی رُت کے سارے غم
جاتی خوشیوں کے کبھی لشکر نہ دیکھو چپ رہوں

آنکھ پر مرقوم ہیں سارے ہی جب آب و سراب
جب ہی میں صحراؤں کے اندر نہ دیکھوں چُپ رہوں

مسئلہ یہ ہے کہ صابر آج تک میں مُطلقاً
گھر میں رہ کر بھی میں اپنا گھر نہ دیکھوں چُپ رہوں

●●●

☆

سر گرمیٔ فسوں میں جو منزل دکھائی دے
لا حاصلی کی آس میں حاصل دکھائی دے

سنگلاخیاں بضد ہیں تو سورج ہے مرتعشِ
جُھلساہٹوں میں سُوکھتا جنگل دکھائی دے

کیسے نہ حق پرست اُٹھاتے ہوا پہ سنگ ؟
موسم کی ہر ادا کہ جب باطل دکھائی دے

سورج ہے سسکیوں کی سیاہ کالکوں میں گُم
سب گُل. زمیں پہ خون کی دلدل دکھائی دے

آفاق ہی سے لائی ہے شعلے سمیٹ کر
مغرب زدہ ہوا مجھے قاتل دکھائی دے

پھیلے ہیں آنکھ آنکھ بصیرت کے حادثات
رنگ و نوائے حرف بھی مہمل دکھائی دے

ہے پتھروں کی بھیڑ خلا کی حدود میں
اک آئینہ زمیں پہ مقابل دکھائی دے

صابرؔ نِگہ و نور کے پس پردہ دُور تک
اک جنبشِ ہوائے سلاسل دکھائی دے

●●●

خوش ادا ہیں رنگ اک منظر تراش
خوب سے اک خوب تر پیکر تراش

ہے میسر جب کہ رُت کی شعلگی !!
تو ہر اک منظر کا پس منظر تراش

جو کڑکتی دھوپ کا ہو ہم سفر
ایسا ہی اے دل کوئی دلبر تراش

جس کی آب و تاب افسردہ کرے
ایسے شیشے کے لیے پتھر تراش

آنکھ کو دن کے اُجالے سونپ دے
شب کی خاطر تو نئے اختر تراش

سادھ لیں یہ چُپ ادا کی دیویاں
شِو تراشا ہے تو پھر شنکر تراش

سوچ کے سورج کو مت اُنگلی دکھا
اس کی خاطر دل میں صاؔبر گھر تراش

●●●

گُل بداماں رنگ سارے شوخ کلیاں دیکھنا
خوبصورت موسموں کی رنگ رلیاں دیکھنا

میں بھی آجاؤں گا کل صبح و سویرے شہر میں
آج اِن آنکھوں سے تم ساجن کی گلیاں دیکھنا

چشم وگیسو میں سراپا ہو گا بے پائیاں سرُود
اُس کے ہونٹوں پر ٹِکی مصری کی ڈلیاں دیکھنا

خواہشوں کی آگ کے دریا میں جلنا دیر تک
خوں میں ڈوبے یاد کے کاغذ کی پلیاں دیکھنا

اپنے ارمانوں کی صورت روز دل کے شہر کی!
شب گئے تک غم زدہ غمگین گلیاں دیکھنا

اِک سنہرے خواب کی ساری سنہری دھوپ میں
دلبری کے پیڑ کی صاؔبر تو کلیاں دیکھنا

●●●

دل ، دلبر ، دلدار کو مرے زندہ رکھ
پیار کی خاطر پیار کو مرے زندہ رکھ

ختم نہ کر ایسے میں تو پُرسش کی ریت
بستر پر بیمار کو مرے زندہ رکھ

پل بھر میں کر دے نہ تو خوشیوں کی موت
غم سہہ کر غم خوار کو مرے زندہ رکھ

دو راہے پر جس کی غیرت قتل ہوئی
اُس مفلس نادار کو مرے زندہ رکھ

مرگ زدہ نہ ہو جائیں یہ کاغذ پر
لفظوں کے انبار کو مرے زندہ رکھ

نہ جانے کب آگ تلاشے مرا شہر
راکھ میں اس انگار کو مرے زندہ رکھ

بدل کے رکھ دی جس نے دُنیا کی تقدیر
صابر اُس کردار کو مرے زندہ رکھ

●●●

☆

نقش وہ کیسے تھے جو آنکھوں کی چاہت بن گئے ؟
جانِ جاں بن کر رہے جاں کی راحت بن گئے ؟

باخبر اس وقت کی آنکھوں میں جھونکی کِس نے دُھول
کیسے صدیاں سال گھٹ کر ایک ساعت بن گئے ؟

روز کُچھ ہونٹوں پہ ٹھہرے تازہ خوشبو کی طرح
روز کُچھ ہونٹوں کے ہم حرفِ شکایت بن گئے

وہ جنھیں مرقوم رکھا تھا تمہارے نام وہ
گیت اب سارے کے سارے جاں کی راحت بن گئے

واسطہ جن کا نہ تھا گلشن سے گُل زاروں سے کچھ
پُھول وہ پھر کیسے موسم کی وراثت بن گئے

●●●

جڑ سے ہی پیڑ پودے اُکھاڑ آئے گا
اب کہ بستی کو موسم اُجاڑ آئے گا

ٹوٹ کر ہوگا وہ ریزہ ریزہ تمام
اب جو رستے میں کوئی پہاڑ آئے گا

سُرخ بادل ، ہوا ، بجلیاں ، آندھیاں
گل زمیں پہ لہو ہی کا باڑ آئے گا

آدمی سے بھلی ہوگی کُتے کی موت
آدمیت میں ایسا بگاڑ آئے گا

ایک لمحے کی بس کہ خطا کے طفیل
خود کو صدیوں وہ پیچھے پچھاڑ آئے گا

ہوگا صآبر وہی ایک، دانائے کُل
سارے داناؤں کو جو لتاڑ آئے گا

●●●

دلوں کی دلبری کا اور دلداری کا موسم ہے
چلے آؤ محبت کی شجرکاری کا موسم ہے

اُڑی ہیں تتلیاں سب رنگ ہیں خوش رنگ ہر جانب
منڈیروں پر فضا کے نازبرداری کا موسم ہے

گئے گذرے زمانوں سے ملاقاتیں نہیں ہوتیں
گلی کوچوں محلوں میں سمجھداری کا موسم ہے

سراپا دیدنی منظر ہے مرے شہر کا لوگو !!
کہ اِس کے ذرّے ذرّے میں گُل افشاری کا موسم ہے

روایت کی کئی تازہ بہاروں کا ہے یہ سنگم
کہیں ہے دوستی رُت کی کہیں یاری کا موسم ہے

یہ بے وجہ نہیں اُتری ہیں سب رنگوں کی برساتیں
گُلوں، کلیوں، حسیں شاخوں کی سرشاری کا موسم ہے

کسی لمحے بھی ہو سکتے ہیں یہ جذبات بے قابو
خود اپنے آپ پر اپنی نگہداری کا موسم ہے

نہیں ہیں وہ زمانے اب کہیں بیساکھیوں والے
کہ اب منزل بہ منزل برق رفتاری کا موسم ہے

اُٹھو، جاگو، چلو تم جان کی قربانیاں دے دو
جواں لوگو یہ سرحد کی وفاداری کا موسم ہے

ہواداری کی خاطر اب تو صابرؔ کھڑکیاں کھولو
بدلتے دور کی بدلی ہواداری کا موسم ہے

●●●

آئینے ٹوٹے ہوا کے رنگ منظر رو پڑے
کرب کچھ ایسا بڑھا کہ سخت پتھر رو پڑے

آنگنوں میں آگ پھیلائی ہوا نے دُور تک
ہنستے ہنستے دل کے ارماں دل کے اندر رو پڑے

سر کٹے سُنبل ہیں لرزاں بید اور زخمی چنار
دُکھ کے موسم میں سبھی سر و صنوبر رو پڑے

شعلہ و خوں میں نہائی بستیوں کو دیکھ کر
دل کے اندر با خدا سب دل کے دفتر رو پڑے

جھیل ڈل پُر آگ، وُلر چُپ غمگیں ہے نشاط
خوشبوؤں کی کشتیوں کے کتنے لنگر رو پڑے

وادیٔ کشمیر تو ویران ہے سنساں ہے
کیوں نہ اب ان حادثوں پر تیرا صابرؔ رو پڑے

●●●

☆

تازہ رُت کے پرتو لائی
آج صبا پھر خوشبو لائی

شب کے رُخ پر چاند اُتارا
آنگن آنگن جُگنو لائی

ناز تھا جس تقدیر پہ مجھ کو
وہ مٹی کے مادھو لائی

دریا کے اُس پار سُنا ہے
برگد کی رُت سادھو لائی

خار کو رُت نے فرحت بخشی
پھول کی آنکھ میں آنسو لائی

لوٹ کے آیا آس کا موسم
شوخ کلی پھر گیسو لائی

تم بھی صابرؔ نقش تراشو
صحرا کی رُت آہُو لائی

●●●

روز و شب رہتے تھے جس میں قہقہے
وہ مکاں اِک بے صدا کھنڈر ہوا

آتشِ جُز گُل میں تھی سُلگی ہوئی
رنگ سے کیوں ماورا پیکر ہوا

گاؤں خوں آشام منظر آج بس
شہر میں یہ حادثہ اکثر ہوا

اُس کا قاتل اُس کا مُنصف تھا حضور
جب ہی ایسا فیصلہ صادر ہوا

کس کا پرتو دے گیا رنگِ حیات ؟
کون تھا ایسا جو بخت آور ہوا ؟

بھر گیا بادل شفق کو آنکھ میں
مُنعکس پیکر پہ کیا آخر ہوا ؟

لاکھ جدّت تھی اگر چہ شعر میں
پھر بھی صابرؔ خوش ادا شاعر ہوا

●●●

☆

نہیں اگر ہے مری وہ کسی کی ہولے گی
گُلاب رُت ہے گُلابوں میں رہ کے ڈولے گی

اُٹھے گی برف پہاڑوں سے جانے کب اس بار؟
نہ جانے کب یہ ہوا کھڑکیوں کو کھولے گی؟

کرے گی کرّب کی وسعت کو اور لامحدُود
شفق جو آج بھی تنہائیوں میں رولے گی

تمام شہر کی آنکھیں رکھے گی گردش میں!!
وہ شوخ رنگ میں خود کو اگر سمولے گی

لہُو کی رُت کا تناظر کہاں سمائے گا؟
خوشی کے ساتھ یہ دھرتی اگر نہ بولے گی

کبھی تو آئے گا صابؔر بہار کا موسم
کبھی تو ہنس کے ہوا منظروں سے بولے گی؟

●●●

اُفق پر شفق کا سحر سامنے تھا
رُتوں کا گُلابی شجر سامنے تھا

رُکے تو فضاؤں نے کی دل نوازی
چلے تو ترا راہ گذر سامنے تھا

سبھی راہ ملتے تھے جس در پہ جاکر
وہی آخری ایک در سامنے تھا

لمحوں میں بس پا لیا منزلوں کو
صدیوں کا جب اک سفر سامنے تھا

تراشے گئے نقش و پیکر میں آذر
تری کاوشوں کا ثمر سامنے تھا

جُدا تھیں تری حکمتیں مرے مولیٰ
ڈھلا شمس جب تو قمر سامنے تھا

دیئے تو نے الفاظ ترتیب دے کر
کہوں کیسے صاؔبر ہُنر سامنے تھا ؟

●●●

☆

نیا وہ عکس کہاں جو با اعتبار ایسا تھا؟
کہ شیشہ شیشہ مرا گرد و غبار ایسا تھا

وہ با خدا تھا کوئی نقش پہلے وقتوں کا
جو سر تا پا کہ بہت باوقار ایسا تھا

جَلوۂ تمام تھا جس کا سراپا گُل موسم
سراپا گُل تھا وہی گُلفشار ایسا تھا

سفید ابر، ہوا، آفتاب سب ہی تھے
وہی نہیں تھا جو مرا شفق زار ایسا تھا

فضا کو جس کی اداؤں نے کردیا پُر لمس
وہی تو رُت کا تری اک چنار ایسا تھا

جلے تھے شجر تمنا کے جا بجا صاؔبر
جنوں کا عہد کہ شعلہ بار ایسا تھا

●●●

جب بھی اونچے آسماں سے نیچے اُترے گی ہوا
آب و آتش کی طرح جل بُجھ کے گذرے گی ہوا

موسمائے گی جزائر میں اُگے پھولوں کا رنگ
پانیوں کے درمیاں خوشبو میں تیرے گی ہوا

دھنک رہ جائے گا شہر آسماں اے ابر و باد
ٹوٹ کر جب آگ میں ہر بار جُھلسے گی ہوا

ہے کہ وہ بس دائرہ در دائرہ خود میں مُحیط
اُس کو اب نہ جانے کیسے، کیسے پرکھے گی ہوا ؟

زخم خوردہ ٹہنیوں ، پتّوں، گلوں سے مل کے پھر
دیر تک روئے گی صابرؔ خود سے لپٹے گی ہوا

●●●

فقر دے مُجھ کو فرماں روائی نہ دے
بندگی کر عطا خود نمائی نہ دے

جو بھی دینا ہے دے عمر بھر کے لیے
ایک لمحے کو ساری خدائی نہ دے

ایک سے ایک منظر سِوا ہے یہاں
پر سوا ترے کچھ بھی دکھائی نہ دے

تو ہے مرا خدا میں ہوں بندہ ترا
مُجھ کو مُجھ سے تو اتنی جدائی نہ دے

جانتا ہوں میں تیری تو ہر اک ادا
روبرو آ کے اتنی صفائی نہ دے

شہر و بستی کے لوگوں کو صابرؔ مرے
رہزنوں کی سدا راہنمائی نہ دے

●●●

پڑھ چکا ہوں کتنے ہی سلسلے بدل کے میں
جسم کی اُداسی کو روح کے دُھندلکے میں

لے گئی ہے خوشبوئیں وہ رُتوں کی شہزادی
کیا کروں پرستاں میں بے طرح مچل کے میں

خوش ادا چناروں پر شام جب اُترتی ہے
وسعتوں میں رہتا ہوں جھولتی غزل کے میں

پھیلتی ہے خوابوں کی اِک نئی سی پرچھائیں
جب خلا کو پڑھتا ہوں اَبر سے نکل کے میں

خاک کیوں اُڑاتا ہے منظروں کی صحرا میں
اس ہوا کے پربت کو کھوج لوں تو چل کے میں ؟

پُر سکوں فضا مجھ کو اے خدا تو واپس دے
کرب زا زمینوں پر تھک گیا ہوں چل کے میں

●●●

☆

ان فضاؤں میں ان وادیوں میں کوئی
ساتھ لایا تھا خوشیوں کے کچھ قہقہے

وقت رہزن ہوا اور زباں کٹ گئی
روز افزوں ہوئے درد کے مرحلے

زندگی اک مروّت سے کم تر نہ تھی
ٹوٹ کر کیوں بکھرتے رہے آئینے؟

کتنی شاخوں سے پھولوں کو توڑا گیا
اس چمن میں میرے دیکھتے دیکھتے؟

شہر، بستی یہ گھر آج ویران ہیں
بُجھ گئے، ہیں ترے پیار کے قمقمے

میں زمانے کے صاؔبر ان انداز کو
جب بھی لایا قریں بڑھ گئے فاصلے

●●●

اس سے آگے کوئی خوشبو کا نگر ہو شاید
زعفراں رُت ہے رنگوں کا شجر ہو شاید

لوحِ احساس پہ مہتاب اُگا کر رکھ دے
ایسے ظُلمات میں پھر اُس کا سفر ہو شاید

تو مجھے اور کہیں کھوج نہ اے درماندہ ہوا
ان ہی کھنڈرات میں گم مرا بھی گھر ہو شاید

جانے کِس رنگ میں ہو ابر کا سارا افسوں ؟
اور بے سمت ہوا اُس کی سپر ہو شاید !

وسعتیں، رنگ ، صدا ، درد جُھلستے موسم
ایسا لگتا ہے کہ وا کرب کا در ہو شاید

آئینہ ، برف کا گھر ، ریت ، سُلگتے صحرا
رُت کے جسموں پہ ٹکی شوخ شرر ہو شاید

ڈھونڈیئے سبز ہواؤں کے اسی صحرا میں
ایسا لگتا ہے کہ صابرؔ بھی اِدھر ہو شاید

●●●

پُر فسوں الفاظ ، حرفوں کی جوانی اور تھی
اے صبا! جو اُس نے لِکھی وہ کہانی اور تھی

زعفراں زاروں کی ساری وسعتیں جس میں تھیں گُم
ایسی ہی اک رُت کی ہم پر مہربانی اور تھی

معنی و مفہوم کی بے انتہا سرحد کے پار
کیسی تھی الفاظ کی جو زندگانی اور تھی ؟

نو بہ نو شیشوں کا سارا رنگ تھا مجھ میں تمام
اُس میں پتھریلی ادا صدیوں پرانی اور تھی

تھا سراپا کیف وہ جس آنکھ کا افسوں تمام
اُس کے ہونٹوں پہ اُگی شیریں بیانی اور تھی

جل کے خاکستر تھے بالکل آنگنوں کے سارے پیڑ
گُل کدوں پر گُل رتو آتش فشانی اور تھی

اب سراپا اپنے نہ ہونے کا منظر ہے فقط
وہ بھی دن تھے جب کہ صآبر خوش گمانی اور تھی

●●●

اُگے ہیں آنکھ پر کُچھ سبزہ زار دیکھو تو
وہ دے گئے ہیں جو وہ بہار دیکھو تو

ہر ایک سمت ہیں کھِلے ہوئے کئی گُل زار
ہر ایک سمت ہے رُت پر نکھار دیکھو تو

ہر ایک پیڑ لگے ہے بڑا ہی پُر اُمید
ہر ایک شاخ ہے جبھی پُر وقار دیکھو تو

ہے کون دیر سے بیٹھا ہوا مرے اندر؟
کیا ہے کس نے مرا انتظار دیکھو تو؟

اُمید کس کی دیکھ ابھی کہ بھر آئی؟
رہا ہے کون ابھی آس دار دیکھو تو

اُگی ہیں رونقیں صابرؔ دشت و صحرا پر
حسین لگنے لگے جبھی لالہ زار دیکھو تو

گُلوں کے رنگ خوشبو کی لُٹی جاگیر دیکھی ہے
لہُو میں ہم نے ڈوبی خواب کی کشمیر دیکھی ہے

مرے احساس نے یارو پڑھی ہے مُردنی برسوں
ہر اک چہرے پہ لکھی درد کی تحریر دیکھی ہے

کٹی ٹانگیں، بُریدہ سر، لہُو دھرتی پہ آوارہ
ستم کی، خوف کی، ہر سمت اک تصویر دیکھی ہے

سراپا وحشت و دہشت کا ہے ہنگام سا برپا
جنوں موسم کی یاں پُر کاٹ ہر شمشیر دیکھی ہے

بہت سوچا ہے صابر شب گئے سارے مسائل پر
بہت اُلجھی ہوئی ہر خواب کی تعبیر دیکھی ہے

☆

دریا ، جھیل ، ندی سے گہرا لگتا ہے
آنکھ میں یہ جو اشک سا ٹھہرا لگتا ہے

دل جائے کس سمت میں جائے ایسے میں !
شام سے پہلے شہر میں پہرا لگتا ہے ؟

خوشبو سے ہر پھول کی قیمت ہوتی ہے
ہر اک پتّا پیڑ پہ اچھا لگتا ہے

ہر موسم میں طغیانی بھی ٹھیک نہیں
گاہے گاہے چڑھتا دریا اچھا لگتا ہے

اپنا اپنا کام تو سب کر لیتے ہیں!
اوروں کا اک کام بھی قضیّہ لگتا ہے

اپنی اپنی سوچ سمجھ کے مسئلے ہیں
جب ہی سیدھا حرف یوں اُلٹا لگتا ہے

مری آنکھ سے آنسو بہنے لگتے ہیں
مجھ کو ہی کیا صحرا پیارا لگتا ہے

اپنی آنکھ میں بھر لیتا ہوں خوشبو اور
جب بھی پُر اُمید سویرا لگتا ہے

بیٹھ کے اس پہ گاتے ہیں جب طائر گیت
جب ہی صابر پیڑ یہ اچھا لگتا ہے

●●●

رتوں کا رنگ جب دلبر نہیں تھا
کوئی منظر بھی پُر منظر نہیں تھا

کھلِے تھے پھول ہر جانب ہزاروں
مگر خوشبو کا کوئی گھر نہیں تھا

نہ بھیگی تھیں لہُو میں آستینیں!
کٹا ایسے بھی کوئی سر نہیں تھا

اُداسی اس طرح گھر گھر نہیں تھی
کہیں اشکوں سے دامن تر نہیں تھا

نہ کیسے ٹوٹتا صدموں سے آخر
یہ دل تھا دوستو پتھر نہیں تھا

سدا اک پیار بانٹا دشمنوں میں
ہمارے ہاتھ میں خنجر نہیں تھا

بسایا اَن گنت لوگوں کو اس میں
یہ دل کا تاج جب کھنڈر نہیں تھا

اُگے رہتے تھے اس میں گُل ہزاروں
یہ دِل صابرؔ کہ جب بنجر نہیں تھا

●●●

☆

خبر کہاں تھی کہ خود سے ہی رابطہ رکھتے
درونِ قلب چھپائے ہوئے خلا رکھتے

دِلا جو دیتیں سیہ آندھیاں اُنھیں احساس
جزیرے خود کو سمندر سے آشنا رکھتے

گھنے تھے موڑ بہت ٹیڑھی ساری گلیاں تھیں
کہیں تو شہر کی سڑکوں میں راستہ رکھتے

یہ مرا کرب جو ہوتا اُنھیں اگر محسوس
وہ مرے شہر کے نقشے پہ گھر بنا رکھتے

نظر میں بھرتے نظّارے حقیقتوں کا فسوں
اُگا کے ہم بھی ہتھیلی پہ مہر و ماہ رکھتے

رُتیں جلاتیں سمندر پہ گر نئے فانوس
جھلکتی موج کا ساحل سے رابطہ رکھتے

پلٹ کے آئی نہ صابر گئی رُتوں کی ہوا
ہم اپنے دل کے دریچوں کو کیا کُھلا رکھتے

●●●

☆

گُل رو شفق تھی برف کا منظر ہی اور تھا
خود عکس جو عیاں تھا وہ پیکر ہی اور تھا

جس با صفا کی ہر سو رقم تھیں بشارتیں
وہ راحتوں کی رُت کا پیمبر ہی اور تھا

سب آنکھ آنکھ رنگ اور راحت رساں تھا جو
نُطق و نِگہ وہ عالمِ برتر ہی اور تھا

دے اُس کو سبز آب خزف ہی کا نام تو
وہ تھا جو زیرِ آب وہ گوہر ہی اور تھا

آتش زدہ تھے پیڑ تو جلتے تھے سبزہ زار
ان بستیوں کی رُت کا مقدر ہی اور تھا

کیسے نہ معترض ہوا ہوتی رتوں کی سب
جب خانقاہ ! وہ ترا مجاور ہی اور تھا

اَن ہونیوں کی آگ نے جُھلسا کے رکھ دیا
صبر و سکوں کے عہد کا صابر ہی اور تھا

●●●

☆

آس بندھا کے ڈوب گئے ہیں دُور فضا میں پیکر کُچھ
آنکھ کو مری میرے اللہ تو ہی دے جا منظر کُچھ

راہ رستوں کے خواب سہانے پل بھر میں بے آب ہوئے
گُل موسم نے پھول کے بدلے بھیج دیے ہیں پتھر کُچھ

کاش ہمارا بھی کوئی ہوتا جس کو ہم بھی اپنا کہتے
کاش ہمارے دل میں رہتے چاند سے چہرے دلبر کُچھ

تنہائی میں پھول کی ٹہنی اپنے آپ سے یہ کہتی ہے
کیسے آن ٹکے ہیں مُجھ پر آج پرندے بے پَر کُچھ

جن کے دل آنکھوں پر لکھے اُس نے دو عالم کے راز
عشق میں مست سراپا ہیں وہ مست الَست قلندر کُچھ

گرم ہواؤں کے موسم میں ، میں ہی شعلہ پوش نہیں
جلتی بلتی دُھوپ میں یارو مرے ساتھ ہیں بے گھر کُچھ

جس کی یاد کی خونی برچھی صابرؔ آنکھ میں اُتری ہے
اکثر دِل کے پار ہوئے ہیں اُس کی یاد کے خنجر کُچھ

●●●

کھلی جو آنکھیں تو خواب بکھرے
حسیں رُتوں کے گُلاب بکھرے

لہُو لہُو ہیں فضائیں ہر سو
موسموں کے عتاب بکھرے

نہ کیسے مردہ ہُوں گل زمینیں؟
فلک پہ خوں کے سحاب بکھرے

گُلوں کی رنگینوں کے شیشے
ٹوٹ کر بے حساب بکھرے

اُگی کُچھ ایسی ہے بے حجابی
کہ سب حجاب و نقاب بکھرے

سُلگ رہے ہیں کہ دشت و صحرا
نظر میں آب و سراب بکھرے

بکھر گیا ہوں میں ایسے صاؔبر
رُتوں کی جیسے کتاب بکھرے

•••

نئے ہی رنگ کا جب آسماں آزار لِکھ دے گا
زمیں پر کیسے کوئی پھر گماں یکبار لِکھ دے گا

ہوا، بے سمت لہریں، کشتیوں کے جھولتے لنگر
سمندر پر کہاں کیسے کوئی دیوار لکھ دے گا؟

اُگا کے ایسا ہی بدبخت موسم پھر سرِ صحرا
مقدر کیا خبر تھی امتحاں ہر بار لِکھ دے گا

اُنھیں رہنے دے تو احساس کے دامن سے ہی لِپٹے
کہ اِن لفظوں کی خوشبو دل پہ وہ دلدار لِکھ دے گا

کبھی تو آئے گا اُس لامکاں خوش باد کا جھونکا
جو صابر تا اُفق سب گل فشاں اشجار لِکھ دے گا

●●●

☆

خوش ادا موسم ، رُتوں کی شادمانی دیکھ لی
اے خدا ہم نے تری ہر مہربانی دیکھ لی

ہر گھڑی مرقوم رکھا آنکھ پر لمحوں کا حال
ہر گھڑی اک آرزو صدیوں پُرانی دیکھ لی

یہ بھی دیکھا کہ بہت نا مہرباں تھا آفتاب
یہ بھی کیا کم اُس کی ہر جا مہربانی دیکھ لی ؟

آتی جاتی سب رُتوں کے ہم ہی سر چشمہ بنے
آتے جاتے ہم نے ہی ہر سر گرانی دیکھ لی

اک سراپا آگ تھا منظر کا پس منظر تمام
آنکھ نے رنگوں کی جب بھی خوش گمانی دیکھ لی

سایہ ، سایہ خواب تھے صابرؔ چناروں کے تلے
سایہ سایہ گُل رُتوں کی سائبانی دیکھ لی

●●●

☆

وہ دیکھتا ہے جب بھی مُجھ کو سوچتا ہے گُلاب بن کے تمام جیسے
رُتیں اُڑاتا ہے بن کے بادل کھیاتا ہے حباب بن کے تمام جیسے

سمندروں کو عزیز رکھ کر لکھے خوشبو بھری داستاں وہ ساری
گئے پلوں کا اُداس چہرا یہ جل رہا ہے کتاب بن کے تمام جیسے

پہاڑ ، دریا ، یہ سبز جنگل ، رُتوں کے چہروں پہ عکس اُس کا
وہی تو ہے جس کا نقش ہر سو چمک رہا ہے آفتاب بن کے تمام جیسے

میں اُس کے اُن وا دروُں کے سارے شفق نما خواب چُن کے رکھوں
جو شب گئے پربتوں سے اُڑ کر کے مجھ سے ملتا ہے تاب بن کے تمام جیسے

وہ کیسا اک آئینہ ہے ایسا، جو محبتوں سے کھینچتا ہے اپنی جانب
وہ کیسا حرف آشنا ہے ایسا کہ اُس نے لِکھا سراب بن کے تمام جیسے؟

اُسے میں دل کے سمندروں کی سیاہیوں میں بھروں گا صابرؔ
سمٹ رہا ہے نظر میں مری جو ایک روشن حجاب بن کے تمام جیسے

●●●

☆

اب آئینے سے ساری وضاحت ہی لے کے جا
تو جارہا ہے حرفِ شکایت ہی لے کے جا

رنگوں کا سلسلہ تو بڑھے گا فضا میں اور
خوشبو کے پیکروں کی رفاقت ہی لے کے جا

ان منظروں کی دُھوپ سے جسموں کی آگ سے
اے موسموں کی برف ، تمازت ہی لے کے جا

اُتریں گے تری اور کل منظر ہی کُھردرے
اے چشمِ یار ، آج نفاست ہی لے کے جا

لوحِ سحر پہ لکھے گا وہ شامِ رنج وغم
تو شادماں رُتوں کی سیاست ہی لے کے جا

صاؔبر رُتوں کے شہر میں ٹھہرا ہے جب تو پھر
تازہ گلوں کی تازہ نزاکت ہی لے کے جا

●●●

حادثے رنج و بلا کرب عجب تھے کتنے
تھی خلا ایک مگر اس کے سبب تھے کتنے؟

برف سفاک ادائی پہ مُصر تھی بالکل
ورنہ صحرا ہی میں آتش کے سبب تھے کتنے؟

جن سے منسوب رہے کتنے رُتوں کے پیکر
اُن اساسوں کے وہ کھنڈر بھی غضب تھے کتنے

وہ جو خوشبو کے تناظر کا کہ اک منظر تھا
آئینے اُس کے خلاؤں میں نصب تھے کتنے؟

ٹھہرے کاغذ کی حرارت پہ تھیں ششدر آنکھیں
سلسلے اُس کی بصیرت کے غضب تھے کتنے؟

دے گئی تازہ ہوا ، رنگ جزیرہ صابرؔ
بہتے دریاؤں کی امواج کے ربّ تھے کتنے؟

●●●

نئی راہ منزل نیا اک سفر دے
تمنا کا مری شجر با ثمر دے

عطا کر بلندی ، نئی سرفرازی!
خرد کو ہمہ جہتیوں کا سحر دے

ہمہ گیر ہوں جس کے سب ڈال پتے !
خرد کو تو ایسا شجر با اثر دے

سمجھ لوں سبھی جزو و کل کے مسائل
مجھے بھی تو ایسی نِگہ با بصر دے

جو بستی کے پیڑوں کو محفوظ رکھے
خدا کوئی ایسا بشر با خبر دے

جو منزل بہ منزل ٹکے راہزنی پر
مسافر کو ایسا نہ تو راہبر دے

تناظر میں رکھوں جنھیں روز صابرؔ
تب و تابیوں کے وہ شمس و قمر دے

●●●

نرم سائے ، دھوپ ، خوشبو ، رنگ اک پیکر میں تھے
کیسے کیسے تھے وہ منظر کل جو پس منظر میں تھے

درد ، پُرنم آنکھ ، زخمی ہاتھ ، تن سارا تھا شل
حادثے کیسے تھے وہ جو ایک ہی پتھر میں تھے

بے صدا ماحول ، بے منظر تھی ساری نیلی چھت
جاگتی آنکھیں تھیں لیکن خواب خاکستر میں تھے

وہ تو برہم سا تھا خود سے صُبح تھی کس کی ملول
اور ہم بھی رات بھر کیا جانے کس چکر میں تھے؟

سب رُتیں ، موسم تھے جن سے پُرفسوں و پُر جمال
رنگ وہ سارے کے سارے ہی مرے دلبر میں تھے

کون تھا پھیلا ہوا ہر سمت میں صابرؔ تمام
دفن کس کے رنگ سارے ایک ہی کھنڈر میں تھے؟

●●●

دلوں کا کرب صداؤں کے خواب لکھتے ہم
ہر ایک زخم کو تازہ گلاب لکھتے ہم

سنبھل کے پھر نہ بکھرتے کسیِ بھی رستے میں
جو سنگِ سخت پہ اپنا حساب لکھتے ہم

ہماری زیست کا عنواں آلاؤ کی منزل
اِسے نہ کیسے بھلا پھر سَراب لکھتے ہم

جو لوحِ ذہن پہ رہتے ہواؤ سیدھے حروف
کتابِ عمر پہ پہلا باب لکھتے ہم

رُتوں کے آئینے ہوتے اگر نہ یوں بے عکس
تو خشت و سنگ کا کیسے عذاب لکھتے ہم

ٹِکا کے معنی و مفہوم و متن پہ آنکھیں!!
ہر اک سوال کا صابرؔ جواب لکھتے ہم

☆

برستے گُل بھی اگر گُل فشانیاں لکھتے
ستم کے سنگ تری مہربانیاں لکھتے

اُداس شب کی طوالت سفر یہ حیرانی
ہر ایک موڑ پہ کیسے نشانیاں لکھتے

لہُو زدہ تھے سبھی حرف خُونچکاں الفاظ
ہم اپنے عہد کی کیسے کہانیاں لکھتے

سفیدے ، سرو نظر میں چیل و چنار
سب ایک رنگ تھے کیسے جوانیاں لکھتے

سحر تمام جو منظر نہیں بھی تھا سادہ
اُفق پہ لوگ ہی کیوں خوش گمانیاں لکھتے

جو ہوتا دل کے سمندر میں غوطہ زن سورج
ہم اپنے جسم کی شعلہ فشانیاں لکھتے

بہار رنگ پر رہتی اگر، تو ہم صابرؔ
خزاں کے دور کی گُل فشانیاں لکھتے

●●●

☆

آئینے سے جب کوئی کوہ گراں ٹکرائے گا
دل کی دنیا میں نیا اندازِ جاں آجائے گا

اور گِس دی جائیں گی کچھ سرخیاں حالات پر
کل کے اخباروں میں سب رازِ نہاں آجائے گا

آسماں ناراض ہے، شعلے اُگلتی ہے زمیں
آرزو کی لاش کو، کوئی کہاں دفنائے گا

اَدھ بُنے رہ جائیں گے دھرتی کے سب خواب و خیال
آنے والے کل کا سورج سب گماں لے جائے گا

تم حصارِ ذات سے باہر بھی دیکھو تو سہی
جانے کِس جانب یہ میرِ کارواں لے جائے گا

وقفِ کامل کی طرح ٹھہرو نہ ہر اک موڑ پر
وقت خود صابرؔ. تری ہر داستاں دہرائے گا

●●●

رُت شیشے ہریالی کیا تھی
پتھر دل پر ڈالی کیا تھی؟

آنگن آنگن پھول کِھلے تھے
آس مری متوالی کیا تھی؟

ناک پہ تھا اک شوخ شرارہ
کان میں اُس کے بالی کیا تھی؟

زندہ تھا دِل آج بھی جس میں
آج بھی وہ دل والی کیا تھی؟

خوشبو کا گھر آنکھ تھی جس کی
وہ اک پھولوں والی کیا تھی؟

دِل کھنڈر میں سانپ تھے صابرؔ
رات ہجر کی کالی کیا تھی؟

☆

دیکھ اے صابرؔ کسی منظر کا پس منظر نہ دیکھ
آئینوں کے گھر میں بیٹھا ہے تو پھر پتھر نہ دیکھ

ترے ماتھے پر بھی کچھ لِکھ دے نہ یہ صحرا کی موج
ریگ زاروں میں کبھی تو اس طرح آ کر نہ دیکھ

دم بخود رہ جائیں گے یہ سارے عارض سارے رنگ
تو شفق کی آنکھ پڑھ بس خوش نما پیکر نہ دیکھ

موسموں کے رُخ پہ اُگنے دے تمناؤں کے پھول
اے ہوا ! اب سازشوں کا تو کوئی دفتر نہ دیکھ

لمحہ بھر میں ڈوب جائے گی یہ شادابی کی بھیڑ
سات رنگوں میں سجی مُنہ بولتی چادر نہ دیکھ

●●●

☆

پُھولوں کا بیج ذہن کے آنگن میں بو کے رکھ
خواہش کے حادثات کو دل میں پرو کے رکھ

معنی کے حادثات سے بچنا محال ہے
لفظوں کی کائنات کو خوں میں بھگو کے رکھ

پورے شفق کا رنگ اُتار اپنی آنکھ میں!!
موسم کی ساری خوشبوئیں شیشوں میں دھو کے رکھ

کندھوں پہ حادثات کے اُونچی اُڑان کر
اور اپنے حوصلوں کو لہو میں ڈبو کے رکھ

موجِ صبا پہ لِکھ کبھی آنکھوں کی خوشبوئیں
رنگوں میں اُس کی یاد کو صآبر سمو کے رکھ

●●●

فضا، آنگن ، ستارے نقش و پیکر دیکھتے جاؤ
نئی رُت آگئی ہے شوخ منظر دیکھتے جاؤ

ترے حصّے میں ہے بس کہ دَرون خبری دَروُں بینی
تم اپنی چشمِ وا سے پھول پتھر دیکھتے جاؤ

سجاؤ آنکھ پر احساس کے زخموں کی سوغاتیں
اُترتے دل میں لاکھوں غم کے خنجر دیکھتے جاؤ

میسّر آنکھ پہ رکھو فضا کی جلوہ سامانی
جواں موسم کے سارے لاؤ لشکر دیکھتے جاؤ

جہاں مدفون ہے بیتے ہوئے لمحوں کا شیرازہ
وہیں ہے عصرِ حاضر کا تبختر دیکھتے جاؤ

شناخت کیلئے کافی رہے گا یہ ارے صابرؔ
چناروں کے تلے کا وہ جلا گھر دیکھتے جاؤ

●●●

☆

ہرا بھرا سا ایک شجر ہے شام ڈھلے
پتھر پتھر دُھوپ نگر ہے شام ڈھلے

سارے جنگل اُگ آئے ہیں سورج پر
سایوں کا خاموش سفر ہے شام ڈھلے

راہ، رستے ہر موڑ پہ ہیں لاشوں کے ڈھیر
ہر سو ہے بس کرب کا محشر شام ڈھلے

دُور سنہری ریت اُڑی ہے صدیوں کی
دُور صدا کی راہ گذر ہے شام ڈھلے

صحرا ، صحرا خواب سفر ہے پھر صابرؔ
صحرا ، صحرا شام نگر ہے شام ڈھلے

●●●

☆

پھول مانگے ، کبھی خوشبو ، کبھی صحرا مانگے
آنکھ اُس دشت کا ہر روز نظّارہ مانگے

جس کا احساس ہواؤں کی طرح تازہ ہے
آئینہ آج بھی اُس شخص کا چہرہ مانگے

ہوگا اس بحر میں گُم گشتہ کنارا اُس کا
مدتوں بعد جسے آج بھی دریا مانگے

ہے سوا نیزے پہ اُترا ہوا سارا سورج
کیوں نہ ہر دشت ہوا ابر کا ٹکڑا مانگے

اُس کے احساس میں آئی ہے کشاکش کیسی
آگ میں جلتے پہاڑوں کا جو سبزہ مانگے

میں تو ہو جاؤں گا خود آپ مداوا اپنا
مجھ سے کیوں زیست مری میرا مسیحا مانگے

آج بھی شہر کی گلیوں میں ہیں یادیں باقی
منُہدم چہرہ کوئی بھیڑ میں رستہ مانگے

چھاؤں سر سبز چناروں کی کہاں ہے صاؔبر؟
اک مسافر ہے کہ جو اِن ہی کا سایا مانگے

●●●

بر خود غلط تھا آئینہ چہرہ غبار تھا
اندر تھی ایک آگ تو باہر حصار تھا

تھیں عظمتیں تمام وہ جس کے نصیب میں
وہ رفعتوں کے شہر کا اُونچا چنار تھا

کیا اور کوئی شخص چڑھا تھا صلیب پر؟
کل کیا ہوا تھا شہر بہت پُر وقار تھا؟

ایسے نہ بے اساس تھے سب برگ وشاخ و گُل
کل تک ہر ایک پیڑ تو بڑا سایۂ دار تھا

مہمل تھے لفظ ٹیڑھی تھیں ساری. علامتیں
مرقوم مری نُطق پر صاؔبر غبار تھا

☆

نئے شعور کے سانچے میں ڈھال دے مجھ کو
ہر اک ہنُر نیا ، نیا ہر کمال دے مجھ کو

ہر ایک رنگ، فضا ، وسعت کو پڑھ کے آجاؤں
فلک کی اور سمندر اُچھال دے مجھ کو

قیام جس کا مقدّر ہو دے وہی سورج
نہ ایسے روز طلوُع و زوال دے مجھ کو

میں اور بھی اے خدا ! لا زوال ہو جاؤں
زوال حد سے اگر تو نکال دے مجھ کو

رکھوں گا اِن کے اُجالوں کی آگ میں محفوظ
تو کھوئے نقش مرے ماہ و سال دے مجھ کو

خوشی کی آگ جلائی ہے جب تو ایسے پھر
نہ ستم و کرّب نہ رنج و ملال دے مجھ کو

جمال جس پہ تصدّق ہو رُت کا اے صابرؔ
تو ایسا رنگ کوئی لامثال دے مجھ کو

●●●

☆

تھے رنگیں پُھول سارے نقش اور پیکر بہت اچھے
سُہانی وادیاں خوش رنگ تھے منظر بہت اچھے

سراپا، گُل زمینوں کا پڑھا تھا کِس نے یوں اکثر
لگے تھے کس کو دھرتی کے سبھی پتھر بہت اچھے؟

وہ شب تھی کیسی بخت آور ہواؤ جس کے چہرے پر
منّور تا سحر دیکھے مہ و اختر بہت اچھے

اُنھیں کے نام لکھی اُس نے ساری دلبری دل کی
جو اُس کی دلبری میں محو تھے دلبر بہت اچھے

ضرورت کیا پڑے اُن کو ارے لعل و جواہر کی
جنھیں لگتے ہوں بطحا کے سبھی پتھر بہت اچھے

اُنھیں کی صف میں ہی رکھ لے مجھے تو اے مرے مولیٰ
جو خوش رو ہیں ترے صابر اور شاکر بہت اچھے

●●●

☆

کیسے اُمید ہو اب کوئی صدا آنے کی؟
اور ہی جب ہے ادا موسم کے ادا خانے کی

کتنے ہنگامے بپا دیکھ کے چُپ ہیں آنکھیں ؟
جب سے دیوار گری ہے پناہ خانے کی

کرب پھولوں کا لکھے گی وہ سارا مُحسن
لوٹ کے اب تو نہیں بادِ صبا جانے کی

چُپ ہے شفاف فضاؤں کا سحر کیوں ایسے؟
کیوں نہیں رُت یہ کوئی مُژدہ سنا جانے کی ؟

آنکھ پہ دھوپ کی ٹھہرے یہ سُنہری جھالر
کوئی صورت ہی بنے دل کو لبھا جانے کی

کیسے اِس عہد کے خطرات انہیں لکھ بھیجوں
کیسے اُمید کروں اُن کے اِدھر آنے کی

جانے کس روز کُھلے دل کا دریچہ صابر
جانے کس روز ہو اب ان کی رضا آنے کی؟

●●●

نقش نیا اِک خواب کا پیکر دیکھا ہے۔
پس منظر کا جب سے منظر دیکھا ہے

کاہے کو شیشے خود پہ اتنا ناز کریں
پُھول کے ہات میں ہم نے پتھر دیکھا ہے ؟

دل میں ہر بے گھر کا جاگا ہے احساس
گھر والوں کو جب سے بے گھر دیکھا ہے

راہ رستوں پر موت کھڑی ہے ہر جانب
ہر جانب اک خوف کا منظر دیکھا ہے

کاٹ دیے ہیں میں نے اپنے سارے پر
ایک پرندہ جب سے بے پر دیکھا ہے

کس کا اک ارمان اُگا ہے دل میں پھر
کس کی آنکھ نے دل کے اندر دیکھا ہے ؟

جس میں تہذیبوں کے گھوارے تھے کل
اُس گھر کو بھی صابرؔ کھنڈر دیکھا ہے

●●●

ہے جب سے ہر اِک راہ گذر اضطرابی
مسافر کا ہے ہر سفر اضطرابی

نہیں اِک ، سرِ در دُکھوں کی عبارت
ہے سارے کا سارا ہی گھر اضطرابی

اُگے قلب و جاں میں غموں کے ہیں موسم
نظر تا نظر ہے نظر اضطرابی

فلک بارشِ سنگ برسا رہا ہے
زمیں اُگ رہی ہے شجر اضطرابی

ہیں رِکرنوں کے سمیں بدن حادثوں میں
ہیں جب سے یہ شمس و قمر اضطرابی

اُنھیں کیسے کہدوں ہُنر مند صابرؔ
سراپا ہے جن کا ہُنر اضطرابی ؟

☆

ہو گا کیا لاڈ چاؤ ایسے میں
سب گیا رکھ رکھاؤ ایسے میں؟

بھاگ نکلیں دُکھوں کے جنگل سے
کوئی رستہ دکھاؤ ایسے میں

کیا ہوا کیوں بُجھی ہے چشمِ فسوں ؟
کیا ہوا ہے ہواؤ ایسے میں ؟

ساعتوں کے نحیف ماتھوں پر
وقت لکھ دے گا گھاؤ ایسے میں

کون بھیجے گا خوش نما ملفوف ؟
کون دے گا سجھاؤ ایسے میں ؟

خون آغُشتہ ہے مری وادی
سبز تتلی اُڑاؤ ایسے میں

عمر کے موسموں سے اے صابرؔ
کیسے گذری سناؤ ایسے میں ؟

●●●

☆

جاگتی رُت کے اساسوں کا جہاں ہی لِکھ دے
تو سمندر ہے کُچھ آنکھوں کا گماں ہی لکھ دے

جس میں پس پردہ جہانوں کا تناظر گُم ہے
لوحِ آفاق پہ وہ حرف عیاں ہی لِکھ دے

دُھند، برفاب ، سمندر میں ڈھلا ہے سورج
اپنے پرتو کی حرارت کا گماں ہی لِکھ دے

اندھے حرفوں کو دِکھا کوئی خرد کا چہرہ
گُونگے الفاظ کے اندر کی زباں ہی لِکھ دے

وہ جو اک آنکھ ہے رنگوں سے مبّرا اُس پر
سادہ اسلوب کے خاکوں کا جہاں ہی لِکھ دے

جو ہمہ رنگ ، ہمہ پہلو ہمہ جہتی ہو !
ایسے پیکر کو ہوا آئینۂ جاں ہی لِکھ دے

دل نوا، تازہ یہ خوشبو کا سفر ہے صابرؔ
رُت کے اس دوش پہ شیشے کا مکاں ہی لِکھ دے

●●●

☆

محبت کے دیر و حرم دیکھ لیں گے
صنم بن کے تُجھ کو صنم دیکھ لیں گے

جبیں کو ٹکائیں گے دھرتی پہ ایسے
کہ سجدے میں لوح و قلم دیکھ لیں گے

وہ جن کا سہا ہر ستم ہم نے یارو
اُنھیں دلبروں کا کرم دیکھ لیں گے

جگائیں گے دل میں کوئی آرزو پھر
وفاؤں کا اُن کی بھرم دیکھ لیں گے

نہ بھولے گا واللہ کبھی راہِ منزل
جو ہم اُن کے نقشِ قدم دیکھ لیں گے

بھری بزم میں اُن کو اے چشمِ حسرت
بہت دیکھ لیں گے جو کم دیکھ لیں گے

طبیعت سنبھل جائے گی اپنی صابرؔ
تیرے گیسوؤں کے جو خم دیکھ لیں گے

●●●

لِکھا ہے جس نے کہ ہر سو سراب جیسا مجھے
وہی بنائے گا آخر تو خواب جیسا مجھے

میں اُس کو کیسے نہ کہہ دوں کہ میں نہیں ایسا؟
سمجھ رکھا ہے وہ جس نے گلاب جیسا مجھے

میں لفظ، لفظ سمندر ہوں جلتے صحرا پر
وہ حرف حرف بنائے کتاب جیسا مجھے

جو سر تا پا کہ مصائب میں ہے گِرا بالکل!
وہی ملا ہے کہ خانہ خراب جیسا مجھے

گُلوں کے نام پہ لِکھے جو انبساط کے موسم
وہ خارزار کہ دے گا عذاب جیسا مجھے

عظیم پیڑ ہے صابرؔ یہ کس تمنّا کا
لگے ہے سایہ کہ جس کا سحاب جیسا مجھے

●●●

بے طرح جو رنج و غم حیرانیاں دے جائے گا
وہ ہمیں کیسے ، کہاں سلطانیاں دے جائے گا؟

بے بصارت کر کے رکھے گا وہ بالکل آنکھ
سارے داناؤں کو جو نادانیاں دے جائے گا

ہو گا کیا دیوار و در آنگن کا کچھ اُس کو لحاظ؟
وہ جو گھر کو بے سر و سامانیاں دے جائے گا

بس رہیں گے ویسے کے ویسے ہی سارے عکس و نقش
کیا اندھیروں کو کوئی تابانیاں دے جائے گا؟

کیا مری آنکھوں پہ رکھے گا رقم وہ آفتاب
من کا موسم کیا مجھے من مانیاں دے جائے گا؟

کس لئے صابر درونِ دل اُسے رکھوں گا میں؟
وہ جو خوشیوں کی جگہ غم خوانیاں دے جائے گا

●●●

☆

حادثوں پر حادثے ہیں خون زدہ منظر لکھیں کیسے لکھیں
آنکھ نے دیکھے ہیں جو، ہات وہ محشر لکھیں کیسے لکھیں

کچھ تو پا لیں حرف لَا سے ہم سراغِ لَا اِلٰہَ
بے سروپا ایسے ہم الفاظ کے لشکر لکھیں کیسے لکھیں؟

پڑ گیا ہو گا کسی دیوار میں کوئی شگاف
اُس کے اُس آباد گھر کو ہم اگر کھنڈر لکھیں کیسے لکھیں؟

جو نہ پیدا کر سکا آفاقیت کا ہی جواز
اُس پرندے ہی کو ہم لاہُوت کا طائر لکھیں کیسے لکھیں؟

ہو سمندر پر اُگی اک آگ تو جل جائیں ہم
ایسے بہتے پانیوں پر جسم کے پیکر لکھیں کیسے لکھیں؟

خوف اوڑھے ہے فضا، ہجرت طلب بستی کے خواب
اس غموں کی رُت میں خود کو ہم اگر صابرؔ لکھیں کیسے لکھیں؟

●●●

☆

جن سے پیدا زعفرانی رُت ہے ایسے پیکروں کے خواب دے
اے خدا! مجھ کو بھی اُن سارے گُلابی منظروں کے خواب دے

کشتیاں خُوشبو کی ساری ہی رواں کردے سمندر کی طرف
بہتی موجوں پر بنے، اُن ریت کے کچے گھروں کے خواب دے

ٹوٹتے سارے سرابی رنگ کے سایوں کو بھر دے نقش میں
اے مصور! اُس سراپا کے ہزاروں ہمسروں کے خواب دے

جن کی برقیلی ادا سب باصدا رنگوں کی دشمن ہو چکی ہے صبح و شام
ایسے آئینوں کی ساری بستیوں کو پتھروں کے خواب دے

فائلوں کے ڈھیر میں کھوئے نہ رکھ ذہنوں کے سارے زاویئے
فکر کی آنکھوں کو آفاقی دروں کے خواب دے

تھک چکا ہوں دیکھ کر صابرؔ میں آشفتہ سر انساں کا عہد
آنکھ کو مری خدا را اب نہ ایسے محشروں کے خواب دے

●●●

خوشبو بھری نشیلی سُبک پا صدا کے ساتھ
آیا تھا کون رات کو پاگل ہوا کے ساتھ؟

دو چار لفظ ہی میں کہوں پوری داستاں
وہ مُجھ کو حوصلہ دے مگر دے ادا کے ساتھ ؟

ساحل کے رُخ پہ جانے کیا دریا نے لکھ دیا
موجوں کا اختلاف ہے اپنی خطا کے ساتھ ؟

زخموں کی آنچ پھول کے رُخ پر رقم رہی
گویا تھا رنگ کون سا رنگِ حنا کے ساتھ ؟

مہتاب جب کہ ساری ہی ظلمت پہ تھا فدا
صابرؔ تھا کیسا سایہ پھر روشن فضا کے ساتھ ؟

●●●

میں سبز موسم کے آنگنوں میں جو سوکھے پتوں کے خواب دیکھوں
تو جسم کی مملکت پہ کیسے کھلتے میں سنگیں گلاب دیکھوں

میں کیسے خوں رنگ آئینوں میں رکھوں ہواؤں کے سادہ چہرے
اُٹھائے بے حاصلی کی لاشیں فسوں زدہ کتنے باب دیکھوں

یہ آتشیں واردات ساری جو سُرخ کاغذ نے مجھ کو دی ہے
کتاب لمحوں کی کوئی لاؤ کہ حادثوں کے حساب دیکھوں

یہ میرا شہر اب نہ جانے دکھائے گا کیسا رنگ مُجھ کو
کہ ایک مدت سے اپنی آنکھوں ہر ایک جانب عذاب دیکھوں

پہاڑ ، دریا ، ہوائیں موسم عجیب یک رنگیوں میں گم ہیں
گُلاب دھرتی جلے ہے صابر رنج بھوگوں عذاب دیکھوں

●●●

ما ن لے ماں من مانی ایک
کر لوں میں نادانی ایک

بچپن مُجھ کو دے کر جا
کھیلوں کھیل پُرانی ایک

لوحِ پہ سیدھا قلم ٹکے
ہاتھ میں دے آسانی ایک

آنکھ پہ سارا لِکھ آفاق
باب دے رُت کا بانی ایک

لامکاں میں امکاں رکھ
ساعت دے لاثانی ایک

کرب و بلا کے ہیں ظُلمات
آنکھ پہ لِکھ تابانی ایک

دل کی مرے آس بندھا
دے جا آج نشانی ایک

صاؔبر کو مل جائے روز
دلبر دل کا جانی ایک

●●●

☆

خوشبو ، فضا ، وہ رنگ کا پیکر چلا گیا
موسم کا مرے شہر سے منظر چلا گیا

جس پر اُگے تھے حرف مسّرت کے جا بجا
دیوار و در کے ساتھ وہ پتھر چلا گیا

محفوظ جس کے خوف سے سرحد تھی دوستو
وہ کاغذی سپاہیوں کا لشکر چلا گیا

ترسے ہے بارشوں کو سراپا ہر ایک دشت
جانے کہاں وہ ابر کا دفتر چلا گیا؟

لوٹیں نہ برگ و شاخ پر کہیں سے بھی خُنکیاں
موسم کی دھوپ تاپ کے طائر چلا گیا؟

گُل کیا اُگے بہار کے رنگیں درخت پر؟
خوشبو تمام لے کے گُلِ تر چلا گیا

صؔابر سجائے جس نے تھے دھرتی کے خواب سب
لے کر کے اُس کو کوئی فلک پر چلا گیا

●●●

☆

تازہ رُت میں سبز ہوا کے سارے چہرے لکھے وہ
خوشبوؤں کے شہر سے گذرے پھول نگر میں ٹھہرے وہ

اُس پتھر کی آنکھ میں اُترے سارا سورج لمحہ بھر
اپنے آپ کی ظُلمت ہی کو کچھ تو پڑھ کر دیکھے وہ

برف تھی جس ٹہنی پر اُس کے سوکھ گئے ہیں سارے رنگ
کاہے پھر بے موسم ایسے نقش فضا میں بکھرے وہ؟

سیدھی راہ سے آنا، جانا خواب ہوا ہے کب سے تو
کب سے اس برسات نے سارے کاٹ دیے ہیں رستے وہ؟

زخمی آنکھیں کرب کے منظر گانو گانو پھیلے رنج
غم کی دُھوپ میں خوش خوابی کے ٹوٹ رہے ہیں سپنے وہ

ممتا کے دامن کا سایہ چھوڑ آیا تھا میں صابرؔ
ڈھونڈ رہا ہوں اب صدیوں سے خوشبوؤں کے رشتے وہ

●●●

☆

گردنیں اُتریں ، جبیں سر کٹ گئے
پتھروں کے بھی کلیجے پھٹ گئے

دیکھتے ہی دیکھتے ہر ایک سُو
سارے منظر کہ لہو سے اَٹ گئے

ہر طرف اُبھری تماشائیوں کی بھیڑ
ہر کسی کھڑکی سے پردے ہٹ گئے

زندگی سے ایسے متصادم ہے موت
جیسے اب سارے ہی رشتے کٹ گئے

ہے ابھی صابرؔ طلوعِ صبحِ رنج
کیسے کہدوں غم کے بادل چھٹ گئے ؟

●●●

یہ جب سے شمس و قمر لیل و نہار آگ میں ہیں
گُلاب سارے سراپا بہار آگ میں ہیں

جُھلس رہی ہے حوادث میں عزم کی تاریخ
یہ کیا بہار ہے کہ نیلے چنار آگ میں ہیں؟

فلک سے جانے کہاں دُور اُڑ گئے ہیں سحاب؟
زمیں پہ پھیلے ہوئے لالہ زار آگ میں ہیں؟

شبِ ''چرار'' سے اقصیٰ تلک مرے مولیٰ
یہ کیسے باب ہیں جو قسطوار آگ میں ہیں؟

یہ کیسی شورشیں پھیلی ہیں کوہ و صحرا پر
یہ کیا ہوا ہے کہ برف زار آگ میں ہیں؟

نہ جانے دشت پہ دریا پہ اور کیا بیتے؟
ہر ایک شہر کے نقش و نگار آگ میں ہیں

ہر ایک زلف کی تاب و تواں ہے خاک آلود
ہر اک نگہ کے سیمیں خمار آگ میں ہے

میں ایک حصّہ ہوں اُن ایسے اُداس جسموں کا
غموں میں رہ کے جو صابرؔ غمگسار آگ میں ہیں

●●●

☆

آنکھ پہ خوف ہے پل پل بھی
دل میں ہے اِک ہل چل بھی

طوفاں کی لہروں میں دیکھ
کشتی بھی ہے ساحل بھی

راہ رستے منزل دشوار
مشکل ہے اب مشکل بھی

گُل گلشن سب شعلہ بار
آگ میں جھلسیں جنگل بھی

چاک ہیں دریاؤں کے دل
ندیاں ہیں سب گھائل بھی

کب کا جل کر راکھ ہوا
من ممتا کا آنچل بھی؟

دھرتی سے تھا پیار جسے
رُوٹھ گیا وہ بادل بھی

خوں کی ایک لکیر میں گُم
لا حاصل ہے حاصل بھی

اپنا قاتل صاؔبر ڈھونڈ
موسم بھی ہے مقتل بھی

●●●

جو گُل کے موسم، پہ اُس نے لکھیں کہانیوں کو سنبھال رکھیں
چنار خوش ہو کے دیں جو پتے پانیوں پر اُچھال رکھیں

نقوش رنگوں کے پُھوٹ نکلیں شفق سراپا ہو آنگنوں مین
تم آؤ آنکھوں میں ہم گُلوں کی ایسا حُسن و جمال رکھیں

نئی رُتوں نے جو سب تراشے نقش کر ڈالے پتھروں پر
اُنھیں تراشوں کا آئینوں میں عکس اک لا مثال رکھیں

ہواؤ سرحد سے پار جیسے کوہ و صحرا کی رُت ہے پیاری
ایسے سب موسموں کا اپنے آؤ ہم بھی خیال رکھیں

سجائیں آنکھوں پہ موسموں کے گھنے درختوں کے خواب سارے
دیں رُتیں جو گُلاب جھومر تاب و تابش سنبھال رکھیں

کیوں اُبھاریں ہواؤ ایسے روز ہم ہی طلوع کے منظر؟
رقم آنکھوں پہ ہم ہی کیوں کر روز صابرؔ زوال رکھیں

☆

رنگ ، ہوا ، خوشبو بکھری تھی وہ تھا سمٹا مجھ میں ہی
خوش موسم تھا ، گُم سُم جب تھا بہتا دریا مُجھ میں ہی

آنکھوں کے دروازوں پر تھی جاں لیوا ایک ایسی دُھوپ
جس کی شدت کا ہر منظر سمٹا پھیلا مُجھ میں ہی

گیلے کاغذ پر نہ لکھتا کیسے میں کچھ حرف ہواؤ ؟
آگ کا ہر اِک بُجھتا شعلہ جب کہ بھڑکا مجھ میں ہی

اُس نے موسم موسم بوئے واللہ پتھر چاروں اور
مری من منشا کا شیشہ ٹوٹا بکھرا مُجھ میں ہی

شب کی دیواروں پر جیسے روز سجا اک سمیں رنگ
ایسے ہی اک چاند سا چہرہ روز جگا تھا مُجھ میں ہی

مرگ زدہ جب حرف تھے سارے مردہ تھیں تحریریں سب
جب بھی تھا الفاظ کا زندہ ایک سراپا مُجھ میں ہی

●●●

ابر خوشیوں کا جم کر برستا رہے
پیار کا بہتا دریا بھی بہتا رہے

تم اِسی شہر کے اِن چناروں تلے
اپنے گیسُو سنوارو میں دیکھا کروں

آسماں پہ ستارے چمکتے رہیں
دِل دِلوں میں ہمارے دھڑکتے رہیں

جلوہ آرا فضاؤں کا سب بانکپن!
آئینوں میں اُتارو میں دیکھا کروں

دشت و صحرا تمہیں دے رہے ہیں صدا
کہہ رہی ہے مرے من کی ہر اک نوا

پھول خوشیوں کے جھولیں یہاں جا بجا
آ بھی جاؤ بہارو میں دیکھا کروں

مسکراتے رہیں آرزو کے بدن
جگمگاتے رہیں شوخیوں کے چمن

●●●

خوشبوؤں کے جزیروں پہ اُترے کوئی
اے حسیں! چاند تارو میں دیکھا کروں

تازہ حرفوں میں زندہ رہیں گرمیاں
روز لکھتی رہیں تم کو یہ اُنگلیاں

ساری رنگینیاں لے کر آفاق پر
نقش ایسا اُبھارو میں دیکھا کروں

●●●

بیکل جسم کے سنگستاں سے رسم و راہ بڑھا کر جی
رُت آئی ہے کالر پر ہی تازہ پھول ٹِکا کر جی

کیا ہے گر وہ تجھ پر تیرے طنز کے نشتر تیز کریں
اپنے آپ پہ ہنس کر تو خود اپنی ہنسی اُڑا کر جی؟

دیکھ آنکھوں سے لِکھ ہاتھوں سے چلتا ہے پانو سے چل
ہر منزل مقصود کو اپنے میرے یارا پا کر جی

رنج و غم کے واویلوں کو چھوڑ بھی آ اب دُور کہیں
موسم موسم گیت خوشی کے دلبر یارا گا کر جی

بہتے دریاؤں کی ساری نیلابی پر خوشبو لِکھ!
زرد زمینوں پر ہر موسم جنگل سبز اُگا کر جی

رُت سنگیں ہے دل شیشوں کو میرے یار بچا کر رکھ
آتی جاتی تیز ہوا سے رشتے اور بڑھا کر جی

اس پھیلے گُل زار پہ آخر تیرا بھی تو حق ہے کُچھ
اپنی آنکھ پہ تو بھی صابرؔ تازہ پھول سجا کر جی

●●●

پیپل کے اس پیڑ پہ کوئل اَج بھی بولی ساری رات
میری آس کے پھول کی پتّی شاخ پہ ڈولی ساری رات

ساری رات چمکتے دیکھا چاند اُفق کے شانے پر
اپنے آپ سے تاروں نے کی آنکھ مچولی ساری رات

رنگوں کی برسات میں بھیگا اُس گوری کا گورا رنگ
جس نے دن سے بچ کر کھیلی آنکھ مچولی ساری رات

عید کی خوشیاں اُس کے دل میں ہم سے قطعاً کمتر نہ تھیں
غُربت میں جس بے بس نے تھی جیب ٹٹولی ساری رات

چین کے موسم دُور گئے ہیں میرے شہر کی گلیوں سے
اب تو چھید کے جائے دل کو غم کی گولی ساری رات

کوسوں دُور نہ کیسے جاتا پیار کی نیندوں کا سنسار
رہ رہ کر جب تیز ہوا نے کھڑکی کھولی ساری رات؟

اُن کے ہی احساس پہ سب کی آنکھ ٹِکی تھی صابرؔ بس
سرگوشی میں محو تھے جن کے دامن چولی ساری رات

●●●

☆

وہ گُل سے جو بھی تھا موسم کا پیار چل نکلا
جبھی یہ دِل ہو کے دل فگار چل نکلا

سفر تمام تھا اُس کی ہر ایک منزل کا
وہ کس کی اور پھر جانِ بہار چل نکلا؟

تھی کیسی شب وہ طوالت زدہ ہر اک جانب
تھا کیسا خواب مرا جو قسطوار چل نکلا؟

اُداس رنگ تھے غم زدہ تھے سارے نقوش
جبھی تھا جسم سے جاں سے قرار چل نکلا

تمہارے گانو کے فقراء رہیں سبھی آباد
ہمارے شہر سے ہر مست وار چل نکلا

یہ کیا مقام ہے بس کے الميے ہیں جہاں
ہر ایک سوچ کا ذہنوں سے بار چل نکلا؟

اُڑا کے سبز کبوتر فضا کے شانوں پر
فرازِ کوہ سے برف زار چل نکلا

یہ کون صورتِ فولاد ہو گیا ہے پیوستہ
یہ کس کے قُرب کا انتظار چل نکلا؟

مرے شعور میں جو منجمد تھا اے صابرؔ
رُکا ہوا وہ حسیں آبشار چل نکلا

●●●

فضا ، آنگن ، ستارے ، رنگ ، منظر دیکھتے جاؤ
سجائے ہیں جو رُت نے نقش و پیکر دیکھتے جاؤ

رقم ہے آنکھ پر جب کہ دَرُوں خبری دَرُوں بینی
تم اپنی چشمِ وا سے پھول پتھر دیکھتے جاؤ

میسر ہی نہیں جب تم کو کُچھ خوشیوں کی سوغاتیں
تو اپنے دل میں ڈھلتے غم کے خنجر دیکھتے جاؤ

خزاں کی برہمی میں جستجو کر کے بہاروں کی!
جواں موسم کے سارے لاؤ لشکر دیکھتے جاؤ

جہاں مدفوں ہے بیتے ہوئے لمحوں کا شیرازہ
وہیں ہے عصرِ حاضر کا تبختر دیکھتے جاؤ

شناخت کے لیے بالکل یہی کافی ہے اے صابرؔ
چناروں کے تلے کا تم جلا گھر دیکھتے جاؤ

●●●

☆

جب ایسی راہ سے اپنا سفر ضروری ہے
تو اپنے ساتھ بھی اِک ہم سفر ضروری ہے

نیاز و نقد سے پہلے ہر ایک حالت میں
خود اپنے آپ پر اپنی نظر ضروری ہے

نہیں ہے پُختہ عمارت اگر تو اے صاحب!
گُزر کو پھر بھی تو مٹی کا گھر ضروری ہے

یہاں یہ معاملہ ممکن ہے طُول ہی پکڑے
یہاں اک شخص تو معتبر ضروری ہے

بھائی ! یہ وقت ہے، کبھی ایک سا کہاں ٹھہرے
ہر ایک وقت پہ ہر اِک ہُنر ضروری ہے؟

کڑکتی دُھوپ ہو جب بھی تازگی کے لیے
خُنک رُتوں کا تناور شجر ضروری ہے

حدیں تمام نہیں ، اِن حدوں سے بھی آگے
وہ اِک مقام ہے جس پر نظر ضروری ہے

ہمارے شہر میں ہوتے ہیں حادثے ہر پل
اسی لیے تو اے صابرؔ خبر ضروری ہے

●●●

☆

آنگن میں بود و باش کی بُو تھی نہ باس تھی
مرے مکاں کی ہر کوئی کھڑکی اُداس تھی

ٹھٹھرے ہوئے تھے رنگ سب موسم کے پیڑ پر
یخ بستہ اک منڈیر پر صدیوں کی گھاس تھی

منظر وہ کیسی آگ کا پھیلا تھا دشت پر؟
کیسی ہوا تھی ریگ پر جو بدحواس تھی؟

کانٹے اُڑا کے لے گئے نظارگی کے خواب
پھولوں کی رُت جبھی تو بڑی بے اساس تھی

تھا کون لوحِ سنگ شناسائے حرف و لفظ؟
کس کی نِگہ تھی اے گلو ! جو ناشناس تھی؟

خوش تھا یہ کون چہرے پہ ذلت کو پوت کر؟
تہذیب کِس کے عہد کی بڑی با لباس تھی؟

صابرؔ تھا کون ، کس کا تھا سراپا وہ گُل تمام
خوشبو وہ جس کے جسم کی مرے آس پاس تھی؟

●●●

کیسے کہہ دیں ملاقات ہوتی نہیں
بات ہوتی ہے پر بات ہوتی نہیں؟

اک زمانے سے یہ تشت ازبام ہے
دن بھی ڈھلتا نہیں رات ہوتی نہیں

دل میں غم ہے تو پھر بادلوں کے بِنا
کون کہتا ہے برسات ہوتی نہیں

آنکھ میں بھر کے رکھ مہ وشوں کی چمک
ایسے جلوے ہوں تو رات ہوتی نہیں

موت کے موسموں نے جو دی ہے ہمیں
کوئی بھی ایسی سوغات ہوتی نہیں

ہر کوئی کب سہے ہے کسی کے ستم
ہر کسی کی یہ اوقات ہوتی نہیں

دل پہ رکھ دل کو مرقوم صابرؔ کہ اب
یوں تسلیٔ جذبات ہوتی نہیں

●●●

☆

شبیہ تراش کُچھ ایسے فسوں کے پیکر کی
کہ جھلک سراپا دِکھے رُتوں کے منظر کی

جڑوں سمیت اُسے بھی اُکھاڑ لے اے ہوا!
نہیں ہے خبر جِسے حادثوں کے پتھر کی

یہ کیسے رنج کا موسم ہے ہر طرف پھیلا
یہ کیسا کرب ہے ساعت ہے روزِ محشر کی

گلی ہو ایک تو کوئی دھیان میں رکھے
عجیب ضد ہے گھنے راستوں کے اندر کی

وہ رنگ رنگ اُتارے گی باخدا کہ غرور
نِگہ چُپ تو نہیں یہ موسموں کے ساگر کی

نہ ڈھونڈ اس کو خلا کے مُہیب ساگر میں
زمیں پہ دیکھ ادا دلبروں کے صابر کی

●●●

☆

رُتوں کی جب سے بُجھائی ہیں بتیاں اُس نے
ہوا میں گُل کی اُڑائی ہیں پتیاں اُس نے

جڑوں سمیت اُجاڑے ہیں جھولتے اشجار!!
خلا کے رُخ پہ بسائی ہیں بستیاں اُس نے

اُگائے سبز سمندر پہ بے بہا منظر!!
گُلوں کی اور بہائی ہیں کشتیاں اُس نے

سنائی دی نہ کبھی جو تھی نقرئی آواز !!
مکاں کی جب سے ہٹائی ہیں کھڑکیاں اُس نے

وہ لوحِ سنگ پہ لکھے گا کیسے حرفِ نشاط
مجھے جو غم کی تھمائی ہیں تختیاں اُس نے؟

اسی جزیرے میں راہب جہاں پہ کوئی نہیں
بُھلا کے لائی ہیں حوّا کی بیٹیاں اُس نے

بہار آئے نہ آئے مجھے تو اے صابرؔ
حسین و سادہ دکھائی ہیں تتلیاں اُس نے

•••

☆

شوخ فضا مسرور زمانے دیکھا کر
خوشبو نیندیں خواب سہانے دیکھا کر

جاتا ہے تو لوٹ کے جلدی آیا کر
مُلکوں دُور نہ بکھرے دانے دیکھا کر

لے جانے دے اُس کو ہے یہ جس کی دین
زندہ رہ تُو خواب شہانے دیکھا کر

منزل کا ہے جن پر سب مقصود لکھا
ایسے رستے اور ٹھکانے دیکھا کر

آنے والا موسم جانے کیسا ہو
تو کچھ یارا پیڑ پرانے دیکھا کر؟

ہم تک ہی محدود نہ رکھ نسبت کی بات
اور بھی ہیں کچھ لوگ سیانے دیکھا کر

اُلٹا بھی اس دوّر میں سیدھا لاگے ہے
خونی رُت ہے تیر نشانے دیکھا کر

تازہ جن سے صابرؔ ہو احساس ترا
گُل موسم کے وہ کاشانے دیکھا کر

●●●

پلٹ کر خواہشوں کی رُت جو مستانی چلی آتی
مرے آنگن میں بھی اے گل! ، گُل افشانی چلی آتی

نہ جلتے بے طرح صحراؤں میں موسم کے گُل بوٹے
جو برفابوں بھری بادِ کوہستانی چلی آتی

نہ ایسے رنج و غم سے واسطہ پڑتا بہاروں کا
جو ہر نا مہرباں دل میں مہربانی چلی آتی

نہ کیسے میں اُسے دُھتکارتا پھر اے ہوا در سے
خوشی کی رُت جو لے کر پھر پریشانی چلی آتی؟

اُسے کیسے کسی آباد بستی میں جگہ دیتے
جو صحراؤں سے اُلٹے پاؤ ویرانی چلی آتی؟

سجا کر آنکھ پر رکھتے اُسے ہم روزِ محشر تک
وہ اِک ساعت خدایا اب کہ لا فانی چلی آتی

بہت ہی کیمیا ہوتے ہم اپنے آپ میں صابر
دُرِ نایاب کی گر ہاتھ دُر افشانی چلی آتی

●●●

فضا لالہ زار و چمن خوب صورت
محبت بھرا یہ وطن خوب صورت

زمیں کی فلک بوسیاں اللہ اللہ
زمانے کا ہر بانکپن خوب صورت

رُتوں کی ہمہ جہتیاں پڑھ کے دیکھو
کِھلے ہیں چمن در چمن خوب صورت

تبسّم بہ لب سر بسر ریگِ صحرا
تمنا کے ہیں باغ و بن خوب صورت

سراپا حسیں ماہ و خورشید اس کے
ہے تاروں کی ہر انجمن خوب صورت

جمال آفریں اس کا اونچا ہمالہ
بڑے اس کے گنگ و جمن خوب صورت

اُگلتے ہیں سب کھیت و کھلیان سونا
بہاروں کی اس کے چلن خوب صورت

گُلابوں سے معمُور ہے چپّہ چپّہ
جھلکتے ہیں سر و سمن خوب صورت

یہ کیف و مسرّت کی آماجگاہ ہے
کہ جس کے ہیں دشت و دمن خوب صورت

شرافت کا انمول پیکر ہیں صآبر
وطن کے یہ اہلِ وطن خوب صورت

●●●

☆

جو لفظ و معنی کا شوخ منظر عبارتوں کے کمال تک ہے
وہ سارا افسوں تصوّراتی جسارتوں کے سوال تک ہے

یہ استعاری صداقتوں کی جھلک سراپا ہے جس کے فن میں
اُسی کے نُطق و نِگہ کا دریا حرارتوں کے جمال تک ہے

سوال اُس کا بجا ہے بالکل عروج سے ماورا ہے بستی
جواب جس کا خلا میں اونچی عمارتوں کے زوال تک ہے

یہ آنکھ کوشش جہات دے کر، کرے گا اب کیا وہ بادپیما؟
کہ آگہی کا سراغ سارا بصارتوں کے جلال تک ہے

ہے کون مجھ میں جو گونجتا ہے سراپا حیرت زدہ ازل سے
یہ کس کا غم ہے جو مرے دل کی مدارتوں کے مآل تک ہے؟

یہ کس کو دیتا ہے کالا سورج اُفق کے در سے ہزار دستک
نصیبِ صبحِ جمیل کس کا بشارتوں کے بِلالؓ تک ہے

ہے مرے اندر کے آئینوں میں ہی عکس اُس کا تمام صابر
وہ ایک جلوہ جو آپ اپنی زیارتوں کے جبال تک ہے

●●●

☆

درختوں پہ جب بُلبُلیں بولتی ہیں
گلوں کی کٹی آنچلیں بولتی ہیں

خلائی حدوں سے پرے دُور جا کر
رُتوں کی کئی منزلیں بولتی ہیں

تناظر میں صبح کے مرا چاند اُترے
بڑی خوش نوا کوئلیں بولتی ہیں

بڑی بے طرح درد دیتی ہے دُنیا
بڑی بے طرح حسرتیں بولتی ہیں

جھلکتے ہیں ہر سمت روشن اندھیرے
تناظر میں جب مشعلیں بولتی ہیں

تمنا کے پیڑوں تلے پربتوں پر
مری جاں کئی راحتیں بولتی ہیں

ہوتا ہے پُرلطف و پُر کیف موسم
دل و جاں کی جب چاہتیں بولتی ہیں

میں ہوتا ہوں پھر مطمئن اور صابؔر
یہ کاغذ پہ جب کاوشیں بولتی ہیں

●●●

☆

وا ہوئی ہے آنکھ تو وسعت میں اِک دریا رکھو
سارے صحراؤں سرابوں کو بہت پیارا رکھو

وہ سمندر کچھ جزیروں کو اُگل بھی دے اگر
تم انھیں صحراؤں سے آنکھیں تر و تازہ رکھو

کہہ رہا ہے مجھ سے یہ اندر کا جاگا آدمی!
آئینے اندھے ہیں اب تم کِس لیے چہرہ رکھو؟

اپنے اندر آج تک بھی ہے وہی کالا پہاڑ
بے صدا آنکھوں میں تم اُس کا ہی نظّارہ رکھو

میں سرابوں کی طرح لِکھا ہوں اُس کے ہاتھ سے
مرے سر سے موسموں کا سائباں اُونچا رکھو

تم سے صابؔر نبھ نہیں سکتی ہیں ظاہر داریاں
تم کُھلا دل کے دروں خانے کا دروازہ رکھو

●●●

☆

آئے گی جب رات ہمیشہ
کھائے گی اک بات ہمیشہ

کرب زدہ پھولوں کی خود کو
دے گا دل سوغات ہمیشہ

برسے گی ساون کی صورت
آنکھوں سے برسات ہمیشہ

یاد کریں گے یہ گُل بوٹے
شاخوں کی اوقات ہمیشہ

سج دھج کر گذرے گی اکثر
یادوں کی بارات ہمیشہ

ملنے کو ترسیں گے صابرؔ
رُت کے بچھڑے پات ہمیشہ

●●●

☆

آنکھ نے کچھ ایسے اب منظروں کو دیکھا ہے
آئینوں کی بستی میں پتھروں کو دیکھا ہے

نقش کچھ نئے لے کر پھر فضائیں اُتریں گی
پھر گُلوں کے بھیگے سے پیکروں کو دیکھا ہے

ہر طرف کہ ہجرت کے ہو رہے ہیں ساماں تو
ہر طرف کہ جلتے اب سب گھروں کو دیکھا ہے

خواہشوں کی یورش کو موسما کے رکھیں گے
دلبری کے موسم نے دلبروں کو دیکھا ہے

وہ جو کل تھے سادہ لوح آج اُن دماغوں پر
رقص کرتے وحشت کی جھانجروں کو دیکھا ہے

پَر جنھیں تھے وہ سارے اُڑ گئے پرندے تو
دم بخود زمینوں پر بے پَروں کو دیکھا ہے

قتل و خوں کا پھر سے اب آ گیا ہے موسم تو
گردنوں پہ چلتے پھر خنجروں کو دیکھا ہے

آنکھ سے کہاں ایسے خُوں کے اشک بہتے ہیں؟
دل نے دُکھ کے اے صابرؔ دفتروں کو دیکھا ہے

●●●

دیکھنا آفاق پر بالکل رقم ہو جائے گا
وہ جو اپنے آپ میں لوح و قلم ہو جائے گا

ایک دن ہو جائے گا پورا وہ سارا اُس کا خواب
ایک دن آئے گا وہ جاہ و حشم ہو جائے گا

اے مرے اللہ اس بستی پہ رکھ اپنا کرم
ایسے تو ہر محترم ، نا محترم ہو جائے گا

تو جگا پہلے دِل زندہ میں آفاقی تڑپ
سجدہ گاہ شوق خود بابِ حرم ہو جائے گا

ایک ہی رفتار کا احساس رکھ اے راہبر
ہر کوئی راہرو یوں کیسے ہمقدم ہو جائے گا

کھینچ کر اُس کو کہاں لے جائے گا اُس کا خمیر
آگ کی بھٹی میں جو خود ہی بھسم ہو جائے گا؟

کُچھ نہیں حاصل جسے دنیا سے بس بہ جُز فرار
ہاں وہی اک شخص ہی تو مغتنم ہو جائے گا

آنکھ سے اُترے گا کب دل میں وہ مرے اے خدا؟
کب نہ جانے دل یہ مرا با بھرم ہو جائے گا؟

پیڑ اک ایسا لگا جاؤں گا جس کی چھانوْ میں
جب بھی جو بیٹھے گا صابرؔ تازہ دم ہو جائے گا

●●●

☆

صدا کا آئینہ پہلے مرا اک قہقہہ لکھے
پھر اس کے بعد وہ چاہیے تو مرا حادثہ لکھے

کوئی بھی سانحہ ہو پیڑ پودے لے کے آئے گا
ہنسی کی آہٹوں پر وہ تو حرفِ دیرپا لکھے

ہیں لوحِ ذہن پر مرقوم کتنی چیختی صدیاں ؟
کہاں تک ٹوٹتے لمحوں کا کوئی سلسلہ لکھے ؟

ہوا کے ہاتھ کے زخموں کا مَرہَم کون ڈھونڈے گا؟
یوں کوئی کس طرح بکھرے اور خود کو جا بجا لکھے؟

سجا لو خوشبوؤں کو پانیوں کے دوش پر صابرؔ
پلٹ آئے اگر بادِ صبا اک سانحہ لکھے

●●●

☆

ایسے ہی رُت کا باخدا چہرہ اُداس ہے
جیسے غزل کے شعر کا مصرعہ اُداس ہے

وادی میں جب سے سوکھے ہیں پتّے چنار کے
سہما ہوا فلک ہے ستارا اُداس ہے

لے جائے گا وہ آتشِ گُل رنگ کس کی اور؟
کس کے مکان کا یہ دریچہ اُداس ہے؟

حیراں ہیں باشعور کہ کیا ہو شعارِ ذات؟
کلبُ الجبّار چُپ ہے ثریّا اُداس ہے

لل دید، زون، شیخ العام کہاں گے؟
گویائی کے بغیر یہ نغمہ اُداس ہے

شعلہ فشاں ہے کیوں مرے اس قاف کا وجود؟
کیوں برزلہ[۱] فسردہ وتستا[۲] اُداس ہے؟

صاؔبر لگے ہے ایسے مجھے خاکِ کا ثمر!
یوسف بغیر جیسے زلیخا اُداس ہے

●●●

۱: کشمیر کی ایک مشہور و معروف جگہ کا نام ہے
۲: دریائے جہلم کا قدیم نام

نئے ہی رنگ کا منظر دکھانے آئے گا
وہ خواب خواب کا پیکر سجانے آئے گا

کہے گا ایک ہی لمحے میں زندگی کا راز
صدی صدی کا تمسخر اُڑانے آئے گا

کھنچیں گے پیڑ پہ کچھ زاویے نئے ڈھب کے
ہوا کے رُخ پہ جو پتھر اُٹھانے آئے گا

ہمارے صحن میں شاید گذشتہ شب کی طرح
وہ زرد پتّوں کا دفتر لگانے آئے گا

اسے نہ روکیو ، تازہ ہوا کا یہ جھونکا
مجھے تو اور بھی اُونچا اُڑانے آئے گا

شجر شجر کی ابھی تم نہ ڈالیاں کاٹو
پرند لوٹ کر منظر دکھانے آئے گا

ستم شعار نہ کیسے لِکھوں اُسے صابرؔ
لحد پہ میری جو پتھر چڑھانے آئے گا ؟

●●●

جھلکنا سارے رنگوں میں کہ خوشبوؤں میں تر رہنا
گُلوں کی ایک ہی منزل ہے سرگرمِ سفر رہنا

تمہارے ساتھ گذرے وقت نے اتنا سکھایا ہے
کہ اِن سرسبز صحراؤں میں بے برگ و ثمر رہنا

یہ کیسی دولتیں احساس کے حصے میں آئی ہیں؟
لپٹنا حرف سے لفظوں کا منظورِ نظر رہنا

جلے گا جسم آنکھوں سے نیا سیلاب پھوٹے گا
تم اس موسم میں اے ٹھنڈی ہواؤ ہمسفر رہنا

اُترنا جاگتی آنکھوں کے دریاؤں میں تم صابرؔ
دِلوں کی وادیوں میں دیر تک مثلِ شرر رہنا

●●●

☆

خوشبوئیں صحراؤں میں تھیں بیکلی آنگن میں تھی
جانے کیسی آگ تھی وہ جو مرے دامن میں تھی؟

دُور تک اُونچے پہاڑوں پر تھا اک سبزہ تمام
دُور تک رنگوں کی بڑھتی دل کشی ساون میں تھی

شعلہ بن سکتا جو اُبھرا ہی نہیں اک ایسا نقش
رات بھر تازہ ہواؤں کی کمی دامن میں تھی

اُوس کے قطروں نے بھر لیں تھیں اُڑانیں دُور تک
سوکھتے پتوں کی ڈالی جانے کس اُلجھن میں تھی؟

خیمہ زن تھے جا بجا خانہ بدوشوں کے ہجوم
برف کی ٹھٹھری ہوئی بے چہرگی درپن میں تھی

ٹوٹتے پتوں سے صابرؔ میں طلب کرتا بھی کیا
دور تک پھیلی ہوئی بے سائیگی آنگن میں تھی

●●●

☆

آہٹ خلا نورد ترے بال و پر میں ہے
یا لا مکاں کے خواب کی خوشبو سفر میں ہے

ہے کون کِس کے ہاتھ ہوا دے گئی جنوں؟
سب شعلگی مدام کِس شعلہ سر میں ہے؟

لائے گی رُت ہی چھچھے برگد کے پیڑ پر
کیا احتمالِ برف سدا راہ گذر میں ہے؟

اونچی حدوں میں اور اُڑا دشت کے پرند
اُس کو نہ دیکھ اے ہوا! وہ جو گھر میں ہے

اے لوحِ آب اُس کو لِکھ طوفاں کے جسم پر
اک بے پناہ اساس جو مد و جذر میں ہے

کیوں منتشر ہے بے طرح تیرے ہدف کا خواب؟
سارا فسوں ہی جب تیری تیغِ نظر میں ہے

صاؔبر اُسی کے عہد پر زندہ ہے آج تک
اِک ناتمام عہد جو عہدِ سفر میں ہے

●●●

☆

لگتے ہیں کچھ عجیب سے آثار اِن دنوں
غم ہو گئے ہیں برسرِ پیکار اِن دنوں

سر سبز نفرتوں کی فصلیں ہیں جا بجا
سوکھے ہوئے ہیں پیار کے اشجار اِن دنوں

جن کو خود اپنے آپ پر کبھی اعتماد تھا
وہ بھی ہوئے ہیں حاشیہ بردار اِن دنوں

اک اور کربلا کی توقع ہے آج کل
دِکھتی ہے بے نیام ہر تلوار اِن دنوں

شہروں سے لوگ چل پڑے ہیں جنگلوں کی اور
وحشت کا ہر سو گرم ہے بازار اِن دنوں

مُندرج ہیں حوادث و حالات و واقعات
بے باک ہو گئے ہیں سب اخبار اِن دنوں

اَندھی ہوا کے رُخ پہ رقم ہیں بصارتیں
معصوم ہو گئے ہیں خطا کار اِن دنوں

یہ کیسے آفتاب کی حِدّت کا ہے نزول؟
کوئی مکاں نہیں ہے ہوا دار اِن دنوں

ایسے تو بے سبب نہیں صابرؔ فضا اُداس
بارُود بے شمار ہے سرکار اِن دنوں

●●●

خوشبوئیں بکھریں ہوا کے رنگ گیلے ہو گئے
وہ بھی کیا موسم تھے سوکھے پیڑ نیلے ہو گئے ؟

چھوڑ دیں لمحوں میں کیسے برف نے ساری چھتیں
کیسے پُر رونق وہ سارے اونچے ٹیلے ہو گئے

وہ تھا کیسا شہر جیسے لوگ ویسے مسئلے
یہ بھی لو اچھا ہوا دو ہاتھ پیلے ہو گئے ؟

میں نے کب اُن سے کہا تھا پھول سے نازک ہیں وہ؟
میں نے کب چاہا اُنھیں جو وہ غصیلے ہو گئے ؟

ایک سُر کا کیسے حصہ بن گئے ہیں سارے سُر
بے سُریلے سارے سُر کیسے سریلے ہو گئے؟

کِس نے لِکھی کیسے لکھی دیکھنا صابرؔ غزل
اُلٹے سیدھے لفظ تھے کیسے رسیلے ہو گئے ؟

●●●

زمیں کا خواب جو ہے اُونچے آسمان میں ہے
ہوا کے رخ پہ کوئی آج تک اُڑان میں ہے

رکھے ہوئے ہے کئی سورجوں کو مُٹھی میں!
جنوں تمام مگر ہوش کی دوکان میں ہے

صدی صدی کا تمسخر اُڑا کے ٹوٹ گیا
اور اب وہ قید کسی آئینہ مکان میں ہے

کمی کہاں ہے ابھی حادثوں کی دلدل کی
ہر ایک شخص ابھی خوف کے مکان میں ہے

یہ کس کی راحتِ جاں ہے سمندروں پہ رقم؟
یہ کس کا خواب ابھی درد کی چٹان میں ہے؟

اُسے گمان کی سرحد سے ہے مفَر شاید!
وہ کیسا تیر ہے جو آج تک کمان میں ہے

●●●

مُنہدم چہرے ہیں اندھی بھیڑ ہے رستہ بھی دے
پیاس بھی تو نے ہی دی ہے اے خدا دریا بھی دے

وسعتِ آفاق میں جھولیں مری آنکھوں کے خواب
دل کو مرے تو نئے رنگوں کی اک دنیا بھی دے

جس کی تابانی سے تابندہ ہوں افسردہ مزاج
ظلمتوں میں نُور کا تو ایسا مینارا بھی دے

آفتابی زد میں آجائیں گے ایسے سبزہ زار
گُل زمیں کو تو چناروں کا گھنا سایہ بھی دے

جزٔ و کُل جس کا جمالِ آگہی کا باب ہے
ایسے موسم کا کوئی پُر کیف نظّارا بھی دے

آرزو مندی کا جس میں اک جہاں ہے منعکس
اُس فسوں کے آئینے کو عکس اک میرا بھی دے

حمد میں لِکھوں، ثنا لِکھوں تری ربِ جلیل
معتبر ، ذیشاں لفظوں کا تو سرمایہ بھی دے

جس کے حرف و لفظ میں ہے اک بشارت کی اُمید
اب تو صاؔبر کی وہ کاوِش دُور تک پھیلا بھی دے

●●●

☆

آئینوں کے دِل میں جب اُتروں میں اِک منظر بنوں
ریزہ ریزہ میں بکھر جاؤں اگر پیکر بنوں

میں ہی پس منظر میں رکھوں آگ کے نیلے پہاڑ!
اور آنے والی رُت کا میں ہی پیغمبر بنوں

آخری پتّے کی پلکوں پر سجاؤں سارے رنگ
زرد ، پیلے ، موسموں کی راہ کا پتھر بنوں

معتبر رکھوں ہوا کے خاص لہجوں کی کتاب
میں صدائے گُل بنوں یا خار سا نشتر بنوں

چاہیئے تازہ ہوا مُجھ کو بھی اے صابرؔ میاں
کیوں رہوں میں بند کمرے میں کُھلا منظر بنوں؟

●●●

رنگوں کی سبز آگ سے خوشبو نکال کے
یہ کون دے گیا مجھے دیکھ بھال کے ؟

پھر سبز برف لکھ گئی منظر پہاڑ پر
رکھے ہیں پھر سیال نے پتھر اُچھال کے

ظاہر تھا جو ، وہی تھا نہاں اور نہاں عیاں
کیا معرکے تھے صاحبو! فکر و خیال کے؟

ٹکڑے پڑے ہوئے تھے سمندر کے آس پاس
کاغذ کی کشتیوں پہ تھے کیا دن زوال کے؟

گُوندھا تھا کس نے دشت کی مٹی کا نقش و رنگ؟
رکھا تھا کس نے خواب میں سر کو سنبھال کے؟

اے اُن کی یاد! ٹھہرنا یہ درد و رنج و غم
آئیں گے دو گھڑی میں انھیں کل پہ ٹال کے

اپنے بلند و پست کے اک تجزیے کے بعد
پھینکے ہیں کس نے سنگ پرانے ملال کے؟

صاؔبر پڑے ہیں آج بھی البم کے درمیاں
کچھ نقش مرے کھوئے ہوئے ماہ و سال کے

●●●

☆

ایسے ہی افسوں کی وہ اک باریابی اور دے
گل دیے ہیں جب تو موسم کی گلابی اور دے

بے بصر آنکھوں میں رکھوں سارے نظاروں کی آگ
حشر تک مجھ کو وہ رنگِ آفتابی اور دے

نقش و پیکر کی ادا دے جائے مجھ کو میرے رنگ
وہ مجھے جو اک ادائے انتخابی اور دے

دائروں ، نقطوں جلی حرفوں کا کر پاؤں شمار
اس سراسیمی میں چشمِ احتسابی اور دے

معترف ہو جائے جس کا با خدا ہر با شعور
حق نما ایسا ہی اک چہرہ کتابی اور دے

وقت کی اندھی گپھا کو سونپ دے عکسوں کے جال
آتی جاتی رُت کو تو منظر شہابی اور دے

ہاتھ لفظوں کو ہرے کاغذ پہ لکھیں روز و شب
دل جو صابرؔ مجھ کو کیفِ اِضطرابی اور دے

●●●

پُھول کے گھر میں تو کبھی خُوشبو کے نگر میں رکھتا
ہفت افلاک اگر اپنی نظر میں رکھتا

سارا آفاق ، شفق رنگ یہ ہوتا مجھ میں
آئینہ عکس مرا جو میرے ہی گھر میں رکھتا

ریت کے ڈھیر فلک بوس نہ ہوتے ایسے
میں بھی گر اپنے سمندر کو سفر میں رکھتا

تجزیہ کرتی مری چشم ، ترا موجِ سراب
بہتا دریا جو مجھے مد و جذر میں رکھتا

ایسے بونے نہ لکھے جاتے مرے نام کے لفظ
حد کو میں اپنی اگر اپنی نظر میں رکھتا

مجھ سے ہوتے نہ الگ مرے فسوں کے رشتے
دفن میں خود کو نہ گر ایسے کھنڈر میں رکھتا

تازہ احساس کے سب ذائقے لیتا صابرؔ
جب بھی الفاظ کو میں اپنے ہُنر میں رکھتا

●●●

زندگی تو درد و داغ و رنج و غم لے جائے گی
اک خوشی کی بات جب سارے الم لے جائے گی

ہے ابھی آفاق کی وادی میں سرگرمِ فسوں
دھوپ جب صحرا پہ اُتری سارا نم لے جائے گی

جانے کیا سوچے گی وہ اک آفتابی ساری رُت ؟
جب ہوا پیڑوں کے سارے پیچ وخم لے جائے گی

راحتوں کے نام سے نا آشنا ہے جس کی ذات
ایسی شب کیسے وہ سارے مرے غم لے جائے گی

کیسے اُس کو سبز کاغذ پر رقم رکھیں گے ہم؟
جب اُڑا کے ہم کو ہی بادِ عدم لے جائے گی

جل کے خاکستر ہے جب سارے کی ساری آگ میں
یہ ہوا پھر کیسے محشر تک صنم لے جائے گی؟

میری وحشت ہی مجھے لکھے گی پھر آفاق پر
میری وحشت ہی مرا صابر بھرم لے جائے گی

●●●

☆

یہ کہ جو زیست کا بکھرا ہوا شیرازہ ہے
اپنے اعمال کا اے صاحبو! خمیازہ ہے

کس کے ہاتھوں کی ادا موجبِ خوں ریز ہے اب؟
کس نے سمجھا ہے کہ یہ زخم ابھی تازہ ہے؟

راکھ بھی لے کے ہواؤں نے گنوائی ہوگی
مجھ کو اِس آگ کی رفتار کا اندازہ ہے

کچھ بھی تو پاس نہیں آج یہاں اپنے سوا
کچھ اگر ہے تو یہ احساس کا شیرازہ ہے

—

اصلیّت کیا ہے یہ جانے تو خدا ہی جانے؟
اپنا اپنا یہاں ہر شخص کا اندازہ ہے

زیست اُس غار کی مانند ہے مری صابرؔ
جس کا در ہے نہ تو روزن ہے نہ دروازہ ہے

●●●

رہبروں کے بھیس میں اک بے بصر ایسا بھی تھا
زندگی مری بھی تھی جب در بدر ایسا بھی تھا

اپنی آنکھوں پر یقیں جب وہم بن کر رہ گیا
خوش نما دھرتی پہ سایوں کا سفر ایسا بھی تھا

اُس کا دن پتھر کا ، اُس کی شام تھی آئینہ خواب
راستوں کا پھیر کچھ پیچیدہ تر ایسا بھی تھا

کاغذوں کی آگ سے بھی جو پگھل جاتا نہ تھا
موم کے لفظوں میں پتھر کا جگر ایسا بھی تھا

اِن سفیدوں کو گرانے والی تھی بادِ شمال
پوری بستی میں کوئی کیا باخبر ایسا بھی تھا؟

خوش ادا موسم کے سارے پھول تھے جس کے مکیں
آنکھ پہ مرقوم اک خوشبو کا گھر ایسا بھی تھا

بھاگتے لمحات کی ساری شفق پڑھتے تھے وہ
ریت کے ذرّوں میں صابر اک ہُنر ایسا بھی تھا

●●●

☆

دماغ و دل پہ یہ کیا اُگی ہے اَنا اِدھر بھی اَنا اُدھر بھی
جُھلس رہی ہے دُکھوں میں دیکھو فضا اِدھر بھی فضا اُدھر بھی

نہ اُگ سکا ہے کوئی بھی منظر مرے درختوں کی چوٹیوں پر
میں دے چکا ہوں ہر ایک موسم صدا اِدھر بھی صدا اُدھر بھی

ستا رہا ہے نہ جانے کیوں کر ہمیں یہ آپس کا خوف ایسے؟
دل و نظر میں ہے جب کے روشن خدا اِدھر بھی خدا اُدھر بھی

حماقتوں کا تمہاری لوگو واضح ہے کہ تم پہ حاصل
جبھی تو اُس کا قلم لکھے ہے سزا اِدھر بھی سزا اُدھر بھی

مٹاؤ راہ راستوں کی اُلجھن تناؤ سے منزلیں نکالو
تڑپ کے دم توڑ دے گی ایسے وفا اِدھر بھی وفا اُدھر بھی

سروں سے کچھ تو خدا را یارو غموں کے سایوں کو دُور رکھو
کبھی تو خوشیوں کی جھولنے دو ہوا اِدھر بھی ہوا اُدھر بھی

دوام جس کو ہے ایسی سیڑھی آج بھی گر نہیں، تلاشی
قدم بڑھائے گی پھر تو صابر قضا اِدھر بھی قضا اُدھر بھی

●●●

جدید غزل

☆

خلا کے اُس پار موسموں کی نئی رُتوں کے جمال جیسے
میں بُن رہا ہوں خیال جیسے
وہ شبنمی، اطلسی ہوائیں ساحلوں پہ رُکی رُکی ہیں
فضا ہو پھر پُر ملال جیسے
گیا ہے آنکھوں کا لوچ سارا ہوئی ہے ہر آنکھ بے بصارت
ابھی ہو باقی کوئی زوال جیسے
میں بُن رہا ہوں خیال جیسے
حروف سارے شکایتوں کے نئی اُڑانوں میں گم ہوئے ہیں
ہیں چار جانب کہ جال جال جیسے
گئے زمانوں کی راحتوں کا خیال کرنا عجیب جیسا
پوچھتا ہو کوئی سوال جیسے
میں کاغذوں کے سفید جسموں پہ ایسے پھیلا ہوا ہوں لوگو

بکھرے البم میں ماہ وسال جیسے
رفاقتوں کے سبھی تقاضے کہاں پہ ٹھہرے میں کس سے پوچھوں؟
کہ سارے رشتے ہیں انتقال جیسے
صباحتیں اب کہاں ہواؤ کہ نقش موسم کے جاں بہ لب ہیں
سوکھے پتوں کی اک مثال جیسے
میں بُن رہا ہوں خیال جیسے

●●●

بھرے جبھی اُس نے کانگڑی میں سب چناروں کے گیلے پتے
ہوائیں برفیلے موسموں کی ستارہی تھیں
سکوت خوابوں کی سرحدوں کا صباحتوں کی تلاش میں تھا
زمینیں پتھراُ گا رہی تھیں
جب بھی رکھا قدم ہواؤ تمہاری رفتار کے مقابل
فضائیں دل کو لبھا رہی تھیں
نئے سویرے سجا چکے تھے محبتوں کی تمام خوشبو
جبینیں آئینے دِکھا رہی تھیں
اُسے بھی رکھا گیا تھا بالکل آفتابی تناظروں میں
کرنیں جب تتلیاں اُڑا رہی تھیں
وجود لفظوں کے معتبر تھے علامتیں کیا تھیں بے طرح وہ
کتاب آنکھیں پڑھا رہی تھیں

●●●

☆

گُلاب موسم کے آئینوں کا رنگ سارا خلاؤں میں ہے
بچھڑ کے مُجھ سے آلاؤں میں ہے
نسیم چُپ ہے، سحر پریشاں، صبا کے بس میں نہ رُود سارا
وہ نغمہ اب بھی گھپاؤں میں ہے
حروف برگِ نظر پہ روشن، شفق کی لاحاصلی اُجاگر
ایک حرارت صداؤں میں ہے
کون اطراف کا ہے قیدی، ہات کس کے کٹے ہوئے ہیں
اب بھی زنجیر پاؤں میں ہے؟
شہر، بازار، بھیڑ ساری کیا دکھائے گی آئینوں کو؟
لطیف فطرت جو گانو میں ہے
تلاش ہر سوئی جہت کی، سراب اندر سراب جیسے؟
فلک کا موسم رداؤں میں ہے

●●●

☆

مجھے تمہاری طرح سوالوں کا غم نہیں تھا ہوا وُ جب بھی
میں زرد پیڑوں کو دیکھتا تھا
نظر خلاؤں کی وسعتوں میں تلاشتی تھی جسے وہ ہر سو
تمہارا ہی کرب دیکھتا تھا
خونی موسم کی تم پہ کیا تھیں عنایتیں یہ اُسے خبر تھی؟
وہ جس نے ہر فیصلہ لکھا تھا
کتاب سُرخ و سفید ساری روشنائی کی آگ میں تھی
حاشیہ حرف حرف بولتا تھا
گھروں کے آنگن یہ کیسے کہتے کہ اُداسیاں اُن کو کھا گئی تھیں؟
ہر ایک جانب عجب خلا تھا
چنار، سرو صنوبروں کی جڑیں تو صدیوں سے کٹ چکی تھیں
گلوں کو احساس ہو چکا تھا

●●●

☆

یہ کیسی آنکھیں حقیقتوں کی نئی نویلی سی پرچھائیاں لیے ہیں
صداقتوں کی پہنائیاں لیے ہیں؟
ہوا کے اک عہد کی روایت تمام ہو کے بھی ہے ناتمام ٹھہری
حرف تجدید کی رعنائیاں لیے ہیں
ہر ایک نقطہ رعایت بنا ہوا ہے جہاں بھی دیکھو
سبز کاغذ شناسائیاں لیے ہیں
سراپا صحرائے شش جہت میں ہوا وہ نقش کون سا ہے
عکس جس کی انگڑائیاں لیے ہیں؟
مجھے بتاؤ کہاں تلاشوں سمندروں پہ رقم نہیں ہیں؟
وہ خواب جو پُر وائیاں لیے ہیں
سفید کاغذ پہ روشنائی بکھیر ڈالی ہے موسموں کی
گُلاب، نقطے خوش ادائیاں لیے ہیں

●●●

نام : صابر حسین مرزا

قلمی نام : صاؔبر مرزا

جائے پیدائش : بہروٹ راجوری

تاریخ پیدائش : ۷مئی ۱۹۴۷ء

تعلیم : پی۔ایچ۔ڈی (اردو)

مشغلہ : لکھنا، پڑھنا، ادبی مشاغل، شعر گوئی بزبان اردو، پہاڑی، گوجری و پنجابی

پیشہ : ریٹائرڈ ڈپٹی سیکریٹری کلچرل اکیڈیمی، جموں

تصانیف : ۱۔ صوبہ جموں کے علاقائی ادب پر اردو کے اثرات (پی۔ایچ۔ڈی تھیسس)

۲۔ باغ بہاراں (پہاڑی شعری مجموعہ)

زیر تسوید کُتب

۱۔ پہاڑی زبان نی ادبی تاریخ

۲۔ پہاڑی زبان نا افسانوی ادب، اک مطالعہ

۳۔ سانجھ کا شنگر، گوجری شعری مجموعہ

۴۔ ماسی بابی، پہاڑی سیریل

Designed & Printed by AL-HAYAT printographers Gaw Kadal, Srinagar 2473818, 9419525103